نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

نہیں کوئی معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں

ثقافتِ اسلام

دفتر اوّل

Marfat.com

ثقافتِ اسلام

نشریہ مرکزی دار الثقافت جمہوری اسلامی ایران۔ راولپنڈی

اداریہ ۳

۱۲۔ فروردین، جب مظلوں کی حکومت قائم ہوئی ۴

تقسیم اراضی اور ملکیت سے متعلق مسائل — آیت اللہ مشکینی ۸

تفسیر دعائے مکارمِ اخلاق — حجۃ الاسلام مفتی جعفر حسین ۱۶

مدرس، تاریخ کی زندہ وتابندہ شخصیت — آپ بیتی ۲۵

ترک و اختیار حضرت علیؑ کی شخصیت کے دو پہلو — تقریر ۳۵

اسلام اور فوجی قوت — ڈاکٹر محمد جواد باہنر شہید ۳۹

ہسپانیہ، المیہ کے آئینے میں — علامہ یوسف جبریل ۴۵

ہم سب کی ایک ہی صدا، اللہ اکبر — خطاب بیگم رجائی ۵۰

سید دلدار علی — ڈاکٹر سبط حسن رضوی ۵۳

القدس کی پکار — خطاب قاسم صافی ۵۸

اخبار فرہنگی ۶۲

دفتر اوّل

★

بانی و مدیر
قاسم صافی

★

۱۴۰۲ ہجری قمری
۱۹۸۲ میلادی

★

کتابت: عبد العزیز
تزئین: عبد الحفیظ
مطبع: ایس۔ ٹی پرنٹرز راولپنڈی

خط وکتابت کا پتہ: اے۔ ۴۶، سیٹلائٹ ٹاؤن۔ راولپنڈی۔ پاکستان

فون: ۴۲۵۳۰

اداریہ

کسی قوم کی تہذیب و ثقافت کا ماخذ اس کا وہ عقیدہ یا مسلک ہے جس کی اساس پر اس کے نظامِ عمل کی عمارت قائم ہے دوسرے لفظوں میں فکر و عمل کے مجموعی تاثر کو کسی قوم کی ثقافت یا فرہنگ کا نام دیا جا سکتا۔ اس اعتبار سے مسلمان قوم کی ثقافت درحقیقت اسلام کے بنیادی عقائد اور ان عقائد کی بنیاد پر استوار نظامِ عمل کی آئینہ دار ہے یا ہونی چاہیئے۔ پاکستان اور ایران دو برادر اسلامی ملک ہیں، اس لئے ان کی تہذیب و ثقافت کی بنیاد ایک ہے مزید برآں جغرافیائی اعتبار سے ہمسایہ ممالک ہونے کے ناطے سے دونوں ممالک کی ایسی روایات میں بھی جو اسلام کے نظامِ فکر و عمل کی رُوح سے متصادم نہیں ہیں، حیران کُن حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ اس مماثلت کی بنیاد ناقابلِ انکار تاریخی عوامل پر استوار ہے۔ اس لئے قطعاً خلل ناپذیر ہے۔ پاکستان میں خانہائے فرہنگ ایران دونوں ممالک کے مشترکہ تاریخی ثقافت اور تمدنی روایات کو فروغ دینے کے لئے ہی قائم ہیں۔ اگرچہ ایران میں سابق حکومت کے دوران شخصی اغراض نے اس رُوح کو مجروح کر دیا تھا تاہم انقلابِ اسلامی کی کامیابی کے بعد ان مراکز نے صحیح خطوط پر اپنے ہدف کی جانب پوری قوت سے سفر شروع کر دیا ہے۔ اس ضمن میں فرہنگِ اسلامی کو اجاگر کرنے کے لئے دیگر ممکنہ وسائل سے بھی کام لیا جا رہا ہے تاہم افادیت کا دائرہ بڑھانے کے لئے ضرورت اس امر کی محسوس کی جا رہی تھی کہ مطالبِ فرہنگی پر مشتمل ایک مجلّہ شائع کیا جائے تاکہ اہلِ پاکستان اسلامی ثقافت سے وابستہ شخصیتوں اور ان کے کارناموں نیز اسلامی ثقافت کی اساس سے زیادہ سے زیادہ واقفیت حاصل کر سکیں اور دونوں اسلامی ممالک کے درمیان موجود برادرانہ تعلقات اصل بنیادوں پر مزید مستحکم ہوں۔ یہ پہلا شمارہ ہے اور اس کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کے لئے قارئین کا تعاون درکار رہے گا۔ اہلِ قلم دانشور اور شعراء اپنی قیمتی نگارشات اور کلام سے اس کو ایک معیاری مجلّہ بنا سکتے ہیں، جس کے لئے ہم ان کے شکر گزار تو ہوں گے ہی لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اپنی علمی ذمہ داریوں سے بھی عہدہ برآ ہوں گے۔

قاسم صافی

جمعۃ الوداع (روز قدس عزیز) ۱۴۰۲ء

Marfat.com

۱۲۔ فروردین،

جب مظلوموں

کی حکومت

قائم ہوئی

۱۲۔ فروردین کا دن ایران میں ظالموں پر مظلوموں کی حکومت کے قائم ہونے کی سالگرہ کا دن ہے۔ یہ دن وہ دن ہے جب خداوند عالم کا وعدہ پورا ہوا۔

خدا کا شکر ہے کہ ایران کی مظلوم قوم دنیا کے ظالموں پر خواہ وہ شرقی ہوں یا غربی، غالب آئی اور کامیاب ہوئی۔

۱۲۔ فروردین کو خدا کی فوج شیطان کی فوج پر غالب آئی اور یہ دن فتح و نصرتِ خدا کا دن اور مؤمنوں کی جیت کا دن ہے۔ ایرانی قوم اس دن کو اسلامی عید سمجھتی ہے اور یہ دن کامل فتح و نصرت کا دن ہے کہ تمام جہان کے مظلوموں کو سنتِ الٰہی کی روشنی دیتا ہے اور ان کو نصرت خدا کے پرچم کے سائے میں اکٹھا کرتا ہے۔

یہ وہ دن ہے کہ دنیا کے مسلمان اللہ کی مدد سے ہر ملک میں گنہگار ظالموں اور لٹیروں سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اسلام کے جھنڈے کو اور اللہ اکبر کے نعرے کو بلند کریں اس دن مسلمانوں کو نعرۂ تکبیر بلند کر کے بہادرانہ طور پر کھڑے ہونے کی ضرورت اور معزول شدہ شاہ کے ہم نواؤں کے خلاف صف آرا ہو جانا چاہیئے اور ظالم حاکموں کے ساتھ وہ سلوک کرنا چاہیئے جو ایران کی بہادر قوم نے محمد رضا پہلوی کے ساتھ کیا۔ (امام خمینی)

یہ عقلی مسلّمات میں سے ہے کہ ترقی یافتہ انسان معاشرے کے بغیر زندگی نہیں بسر کر سکتا اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ اجتماعی زندگی اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر زندگی گزارنا انسانوں کے لئے بہت سے دیگر پیچیدہ مسائل کو جنم دیتا ہے اور مختلف افراد کے درمیان رابطہ برقرار رکھنے سے بعض پیچیدگیاں بھی پیدا ہوتی ہیں کیونکہ ہر انسان طبیعت کے اعتبار سے کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ اگر ۹۹ فیصد امتیازات اور مال و متاع دنیاوی بھی اس کے لئے مخصوص کر دیا جائے پھر بھی جو ایک فیصد چیزیں باقی رہ گئی ہیں اور جو اس جیسے دوسرے

Marfat.com

انسانوں کا حصہ ہیں وہ بھی اپنے قابو میں کر لینا چاہتا ہے اور دوسروں کو اس ایک فیصد سے بھی محروم کر دینا چاہتا ہے اور یہ زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی خواہش جو ہر شخص میں پائی جاتی ہے اس امر کا باعث بنتی ہے کہ ان لوگوں کے درمیان دنیاوی امتیازات اور مال و متاع حاصل کرنے میں اختلاف و کشمکش پیدا ہو اور اگر ہم میں ان جھگڑوں کا صحیح فیصلہ کرنے کی قوت نہ ہو ایسی قوت عدل جو افراد کے مفاد پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دے تو ایسی صورت میں پورا معاشرہ درہم و برہم ہو جاتا ہے۔ یہ فیصلہ کرنے کی طاقت دراصل حکومت کہلاتی ہے جو ہر شخص کے حدود و حقوق و فرائض کا تعین کرتی ہے۔

حکومتیں مقاصد کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں اور ان عوامل کے اعتبار سے بھی جن کی مدد سے وہ برسر اقتدار آتی ہیں اور جو عوامل ان کو قائم رکھتے ہیں اور اس طرح حکومتوں کو کئی قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے لیکن ایک اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان کی اجتماعی زندگی کے شروع ہونے سے آج تک جتنی بھی حکومتیں برسر اقتدار آئیں یا آئندہ زمانہ میں جتنی بھی حکومتیں معرض وجود میں آئیں گی وہ سب کی سب ایسی حکومتیں تھیں اور ہیں جن کا نصب العین مادی امتیازات اور اقتصادی سیاسی یا فوجی برتری حاصل کرنا ہے اور یہ حکومتیں چاہتی ہیں کہ تمام دولتیں اور ممکنہ نعمتیں اپنے سر برآوردہ لوگوں کے لئے یا برسر اقتدار گروہ کے افراد کے لئے اور زیادہ سے زیادہ یہ کہ اپنی قوم کے مراعات یافتہ طبقہ کے لئے حاصل کر لیں اور جملہ قوانین جو وہ حکومتیں بناتی ہیں اور تمام پالیسی پلاننگ جو وہ کرتی ہیں اس میں کھلے طور سے یا در پردہ وہ انہیں مقاصد کے حصول کے لئے کوشاں رہتی ہیں۔

دوسرے قسم کی حکومتیں وہ ہیں کہ ان کا اصلی مقصد مادی، سیاسی اور اقتصادی مفادات کو حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ ان کا مقصد انسان کو روحانی، اخلاقی اور معنوی کمالات کی بلندیوں تک پہنچانا ہے البتہ ایسا نہیں ہے کہ یہ حکومتیں اپنی اقتصادی، سیاسی یا مادی ترقی سے غافل ہوں نہیں، بلکہ ان تمام مسائل کا منصفانہ حل اور مادی وسائل کی عادلانہ تقسیم کو یہ اپنے اصلی نصب العین کے لئے ضروری سمجھتے ہیں یعنی ان ذرائع کو وہ اپنے بلند اخلاقی اور روحانی مقاصد تک پہنچنے کا وسیلہ سمجھتے ہیں اور چونکہ وہ جملہ انسانوں کی اخلاقی اور روحانی بلندی کے خواہشمند ہیں اس لئے بنی نوع انسان کے ہر فرد کی اجتماعی ترقی کے لئے بلا امتیاز تمام انسانوں کی اقتصادی فلاح و بہبود اور سیاسی ترقی کے لئے کوشش کرتے ہیں اور اس راہ خدمت انسانیت میں بہت سی قربانیاں بھی دیتے ہیں اور اس کام میں اپنے آپ کو ذمہ دار، پابند اور نگران قرار دیتے ہیں۔

Marfat.com

اس طرح کی حکومتیں بجائے اس کے کہ شیطانی خواہشات اور شہوانی جذبات کو اپنا رہنما بنائیں، معنوی زندگی کی اعلیٰ قدروں سے اور الٰہی آیات و قوانین سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور اس طرح کی حکومت میں حکومت کرنا کسی برتری اور امتیاز کو حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری کو اپنے کاندھوں پر عائد کرنے کے مترادف ہوتی ہے جس میں ہر ایک فرد کو اپنا اپنا فریضہ نہائت ذمہ داری سے ادا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور حتی المقدور ہر شخص کو اس خدمتِ خلقِ خدا کے کام میں اپنی تمام صلاحیتوں کے ساتھ سرگرم عمل رہنا پڑتا ہے اور حکومت حق کے چلانے میں اپنا فریضہ ادا کرنا پڑتا ہے۔

اس قسم کی حکومت کا نمونہ دراصل حکومتِ اسلامی ہے وہی حکومت جس کی بنیاد پیغمبر خدا نے ڈالی اور یہ وہی حکومت ہے جس کے تمام مسلمان ارکان انتظامیہ ہوتے ہیں اور ہر ایک اپنی اپنی بساط اور مقدور کے مطابق، کوشش کرتا ہے مادی چیزیں حاصل کرنے کے لئے نہیں کہ ایک فرد یا گروہ یا ملت کو کچھ امتیازات اور مراعات مل جائیں اور ان کے دنیاوی ضروریات پورے ہو جائیں، نہیں بلکہ اس امر کی کوشش کی جاتی ہے کہ خدائی نظام کا قیام ہو وہی نظام جو کمالات انسانی کی پرورش گاہ ہے، وہی نظام جہاں کمزوروں کو قیادت سونپی جاتی ہے اور وہی نظامِ حکومت جہاں مسلمانوں کی برتری صرف اس بات میں سمجھی جاتی ہے کہ اپنی باتوں سے اور اپنے عمل سے لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں اور برائی سے منع کریں۔ (کنتم ـــــ الی الآخر)۔

جمہوری اسلامی ایران کہ اب اپنی عمر کے چوتھے سال میں ہے اسی بات کی کوشش کر رہی ہے کہ حکومت اسلامی کے اصلی مقاصد کو پالے اور اپنے کو حکومتِ الٰہی کا ایک کامل نمونہ بنالے اور اسی وجہ سے گذشتہ تین سالوں کے دوران بلکہ اس سے بہت پہلے سے دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں نے اس قسم کی اعلیٰ مقاصد کی حکومت کے قیام کو اپنے لئے سب سے بڑا خطرہ سمجھ رکھا ہے اور ایسی حکومت کو انہوں نے اپنے شیطانی مقاصد اور دنیاوی لالچوں کے راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ گردانا ہے اور اپنی پوری قوت سے اس حکومت کو الٹنے اور تباہ کرنے کے درپے ہیں اور ہر طرح سے انہوں نے چاہا ہے کہ مادی ہتھیاروں اور مکارانہ چالوں سے اس طاقت ایمانی اور قوت روحانی کو ہرا دیں اور اس کے لئے ان مغروروں نے اقتصادی بائیکاٹ، زبردستی کی شدید جنگ جو عائد کی گئی، اندرون ملک گڑبڑ، فوجوں کی حرکت اور سرحدوں پر انتشار، حکومت کا تختہ الٹنے کی ناپاک سازشیں اور ایسے دیگر شیطانی ہتھکنڈے

Marfat.com

استعمال کئے۔

اسی طرح بے بنیاد افواہوں کے طوفان اور جھوٹی خبروں کے انبار اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہیں جنہوں نے اس حکومت کے مردِ آہن کو پروپیگنڈے کا نشانہ بنایا اور ایسی خبریں نشر کی گئیں جو من گھڑت ہیں، کبھی یہ کہ ایران کمیونزم کی گود میں جا رہا ہے اور شرقی بلاک میں شامل ہو رہا ہے اور کبھی یہ کہ ایران یہودیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر رہا ہے اور اسرائیل سے سیاسی، تجارتی اور فوجی معاہدے کر رہا ہے اور کبھی ہزاروں آدمیوں کے قتل ہو جانے، قید ہو جانے اور شکنجہ پانے کی بے بنیاد خبریں اڑائی جاتی ہیں، اور کبھی یہ کہ اس حکومت کے نمائندوں نے لاکھوں انسانوں کو ترکِ وطن پر مجبور کر دیا ہے اور کبھی یہ کہ اس حکومت کی غلط اقتصادی اور سیاسی پالیسیوں نے لوگوں کو سخت دشواریوں اور پریشانیوں میں مبتلا کر دیا ہے اور اس طرح یہ نام نہاد انسانی ہمدردی کی آوازیں دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے اٹھاتے ہیں اور اس قسم کے پروپیگنڈے میں ان کو اس بات کا مطلق احساس نہیں ہوتا کہ وہ کتنا بڑا جھوٹ بول رہے ہیں اور بمصداق غلط گو را حافظہ نباشد۔ اتنے کہے کی آپ روزانہ تردید کرتے رہتے ہیں اور اس طرح حقائق پر پردہ ڈالنے کی ناکام اور مذموم کوشش کی جا رہی ہے تاکہ واقعیت کو چھپایا جائے اور دنیا کی توجہ اس حکومت کی کامیابیوں اور خوبیوں کی طرف سے بالکل ہٹا دی جائے نہ ان جھوٹے لوگوں کی توجہ اس تردید کی طرف جاتی ہے جو حکومت ایران برابر کرتی رہتی ہے اور نہ ان کی توجہ اس جہادِ عظیم کی طرف ہے کہ بیک وقت ایران اسرائیلی، صیہونی، کمیونسٹی، سامراجی شرقی اور غربی سپر طاقتوں سے مصروفِ پیکار رہے اور نہ ان کی توجہ اس طرف جاتی ہے کہ انقلاب اسلامی ایران کا دوسرے انقلابوں سے مقابلہ کریں تاکہ ان کو معلوم ہو کہ یہ انقلاب کس قدر انسانیت کے لئے مفید اور کار آمد رہا ہے بلکہ انکی پوری پروپیگنڈہ مشینری حق کے چھپانے اور باطل کو بڑھانے میں صرف ہو رہی ہے اور یہ ہے ان جھوٹے لوگوں کی عنایتیں جو تہمتوں، بہتانوں، افواہوں اور حالاتِ حاضرہ کے خود غرضانہ تجزیوں کی شکل میں عالمی سامراج کی جانب سے جمہوری اسلامی ایران کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہیں۔

لیکن ان سب رکاوٹوں کے باوجود جب تک جمہوری اسلامی ایران اپنی ان ذمہ داریوں کو جو اسلام کی نسبت سے اور اسلامی مقاصد کی تکمیل کے رشتہ سے اس پر عائد ہوتی ہیں، پورا کرتا رہے گا، ہرگز ہرگز شکست نہیں کھائے گا جیسا کہ اب تک اس نے کہیں شکست نہیں کھائی ہے اور انشاءاللہ ہر روز تازہ تازہ کامیابیاں ایران کو حاصل ہوتی رہیں گی کیونکہ یہ خدا کا حتمی اور یقینی وعدہ ہے کہ زمین پر خدا کے نیک بندے ہی حکومت کریں گے۔ (سورۃ الانبیاء)

Marfat.com

آیت اللہ مشکینی سے

تقسیمِ اراضی اور ملکیّت سے متعلّق

مسائل پر انٹرویو

ترجمہ:
محمّد ایوب بخاری

ایران اور پاکستان دو ایسے ممالک ہیں جن کا باہمی ربط تاریخ، جغرافیہ، سیاست، تہذیب و ثقافت، مذہب اور عقیدہ کے لحاظ سے اتنا ہمہ گیر اور بھرپور ہے کہ اس کی مثال دنیا کے کوئی دو دوسرے ممالک میں ناپید ہے۔ پاکستان اور ایران کے شہری آپس میں اتنی جلدی شناسائی اور اپنائیت پیدا کر لیتے ہیں کہ عام حالات میں اتنا قرب دو ہم وطنوں میں بھی اتنی سرعت سے پیدا نہیں ہوتا۔

ان دونوں ممالک کے رہنے والے تہ دِل سے خدا تعالیٰ کے احکام اور پیغمبرِ آخر الزمانؐ کی سُنّت کی اطاعت میں زندگی گزارنے اور اسلام کو نظامِ حیات کے طور پر اپنانے کے لئے جہد مسلسل کر رہے ہیں نامساعد حالات اور بین الاقوامی ریشہ دوانیوں کے باوجود وہ اپنی منزلِ مقصود کو پہنچنا چاہتے ہیں۔

پاکستان میں اپنی معاشیات کو مطابقِ اسلام ڈھالنے کی خواہش اتنی ہی شدید ہے جتنی اہلِ ایران میں ہے۔ مجھے عدالتِ عظمیٰ سپریم کورٹ کے سامنے ایک مقدّمہ کی بحث کی تیاری کے دوران آیت اللہ مشکینی کا انٹرویو پڑھنے کا موقعہ ملا میں نے اس سے ایک خاص اثر لیا ہے اور پاکستان کے قارئین کے استفادہ کے لئے اس کا ترجمہ حاضر ہے، میں آقائے قاسم صافی کا شکرگزار ہوں جنکی وساطت سے مجھے "نامۂ انقلابِ اسلامی" کا شمارہ اپریل ۱۹۸۱ء ہاتھ آیا جس میں یہ انٹرویو شائع ہوا تھا (مترجم)

Marfat.com

پیش لفظ:

تقسیم اراضی اور اسی طرح ملکیت سے مربوط مسائل، ان تمام مسئلوں میں سے ہیں جن کے اسلامی نقطۂ نظر کی بابت غیر ذمہ دار، ناواقف اور خود غرض لوگوں کے اظہار رائے نے اور انقلاب دشمن اور موقع کی تاڑ میں رہنے والے مخالفین کے پراپیگنڈہ نے ابہام پیدا کر دیا ہے اور ایسے تصویر کشی کی گئی ہے کہ گویا اسلام کو اُن مسائل سے جو سرمایہ داری، جاگیرداری اور استثمار نے پیدا کئے ہیں سرے سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ فقیہ عالی قدر حضرت آیتہ اللہ مشکینی نے ان ابہامات سے پردہ اٹھایا ہے اور فقۂ اسلامی کے روشن نظریات کو اس ضمن میں بیان فرمایا ہے۔ (ترجمہ)

سوال: حضرت آئت اللہ! تقسیم اراضی سے متعلق جدید منصوبہ جو حال ہی میں منظوری کے مرحلہ تک پہنچا ہے، آقائے رضا اصفہانی کے قول کے مطابق، اسے آپ کے اور آیت اللہ منتظری کے مشورہ اور صوابدید سے مرتب کیا گیا ہے۔ کیا آپ کے لئے اس منصوبہ کی فقہی بنیادوں پر تذکرہ ممکن ہوگا؟

جواب: اس منصوبہ میں اراضی کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جن میں سے ہر ایک حصہ کے لئے مخصوص انفرادی حکم موجود ہے۔

اوّل: "اراضی موات"، کہ تاحال نو توڑ نہیں کی گئی ہے اور اس کے ماضی میں بھی زیر کاشت رہنے کا ثبوت نہیں ملتا۔ فقہی لحاظ سے یہ اراضی "انفال" میں گنی جائیگی اور اس کا حقِ ملکیت اسلامی ریاست کو حاصل ہوگا۔ (مختصراً "انفال سے مراد وہ اموال ہیں جو امام یعنی اسلامی ریاست کی ملکیت ہوتے ہیں مثلاً "اراضی موات" جنگلات اور کانیں ....س) اور کسی شخص کو اراضی موات سے اسلامی حکومت کی اجازت کے بغیر بہرہ داری کا حق نہیں۔

البتہ ایسی اراضی سے استفادہ کی کیفیت اسلامی حکومت کے دَور میں بقیہ سارے ادوار سے مختلف ہوتی ہے ان معنوں میں کہ جن ایام میں حکومت اسلامی کے پاس امور پر دسترس نہیں ہوتی ہر شخص کو حق حاصل ہوتا ہے کہ زمین کو قابلِ کاشت بنا کر اور آباد کر کے اس سے بہرہ برداری کرے اور اس پر ملکیت جمائے جیسا کہ (سوائے حضرت علیؑ کے) ائمہ مثلاً امام باقرؑ اور امام صادقؑ کے زمانوں میں اقتدار،

Marfat.com

اسلامی حکومتوں کے پاس نہ تھا، عوام کو حق حاصل تھا کہ وہ زمین کو آباد کرنے اور زیرِ کاشت لانے کے لئے اس پر قبضہ جمالیں اور ملکیت قائم کرلیں لیکن اب جبکہ حکومتِ اسلامی کے پاس معاملات کی باگ ڈور آگئی ہے صورت حالات مختلف ہے اور عین "زمانۂ ظہور" (امام مہدی علیہ السلام کے اقتدار کا زمانہ. مترجم) کی طرح صرف اسلامی ریاست کی اجازت اور دستور کے تحت ہی زمین سے استفادہ کرنا ممکن ہے. اس ضمن میں دلیل یہ ہے کہ ظہور سے مراد صرف یہ نہیں کہ امامؑ معصوم ذاتی طور پر اپنے ہاتھ میں اختیارات رکھتے ہوں بلکہ اگر آپؑ کے عام یا خاص نائبین بھی حکومتِ اسلامی کی تشکیل کے قابل ہوں، جیساکہ موجودہ اسلامی جمہوریہ کے حالات ہیں تو وہی قانون نافذ ہوگا جو زمانۂ ظہور کا ہے.

سو پہلا حصّہ تو ہوا اراضی موات کا جو تا حال نوتوڑ نہیں ہوئی اور اراضی کا دوسرا حصہ وہ ہے جو پہلے تو زیرِ کاشت تھا لیکن فی الحال مالکان نے اُسے معطل کر رکھا ہے جس وجہ سے وہ دوبارہ بنجر ہوگئی ہے. ایسی صورت میں اولاً پہلے مالک کو ترجیح دی جائے گی کہ وہ اسے آباد کرے ورنہ حکومت اسے اپنے اختیار میں لے کر کاشتکاری اور پیداواری مقاصد کے لئے اہل افراد کو دے دے گی.

سوّم: "دائر" یعنی زیرِ کاشت اراضیات سے بہرہ برداری ہو رہی ہے. یہ زمین دو حصوں میں تقسیم ہوگی: پہلی وہ زمینیں جو غیر مشروع طریقہ سے حاصل کی گئیں تھیں، ان زمینوں کے حقوق ملکیت کو کالعدم کرانے کے لئے عدالت ہائے اسلامی سے ڈگری کی جائے گی.

دوسری وہ اراضیات ہیں جو بظاہر شرعی طریقے سے حاصل کی گئی ہیں. ایسی زمینوں پر اگر مالک خود کاشت کر رہا ہے تو اس کے پاس صرف اتنی زمین رہنے دی جائے گی جو اس علاقے کے عام کاشتکار کے گزر اوقات کے لئے کافی سمجھے جانے والی زمین کا تین گنا ہوگی. اور اگر وہ خود کاشت نہ کرتا ہو اور اس کے گزر اوقات کا کوئی اور ذریعہ بھی نہ ہو تو اس کے پاس مذکورہ (عام کاشتکار) رقبہ کے دگنا رقبہ کے برابر رہنے دیا جائے گا اور باقی اراضی لازماً بحق مزارعہ واگذار ہو جائے گی اور اس سے انحراف کی صورت میں حاکمِ اسلامی تقاضاء ولایت کے تحت اس قسم کے مالکان سے اراضی لے کر ضرورت مند کاشتکاروں کے حوالے کر دیگا اور حکومت اس اراضی کو آباد کرنے کا معاوضہ بیت المال

Marfat.com

کے واجبات مجرا کرنے کے بعد مالک کو ادا کر دیگی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ولایت فقیہ کی بنیاد پر ایسی اراضی کو حاکم بے اثر قرار دیدے۔

سوال: حضرت آیت اللہ! جیسا کہ آپ ایران کی اراضی مفتوح العنوہ گنی جاتی ہے (مفتوح العنوہ اراضی ان ممالک کی زمینیں ہیں جو اسلام کے تصرف میں مسلّح جنگ کے بعد آئی ہوں.. بس) اور اس اراضی کا مفتوح العنوہ ہونا از سر نو قانون سازی کا سبب بنتا ہے۔ کیونکہ ایسی اراضی کا بہت بڑا حصہ قومی ملکیت میں آجاتا ہے اور اس پر نجی ملکیت قائم نہیں کی جا سکتی۔ اس پس منظر میں اصلاحات اراضی میں اس مسئلہ پر کیوں توجہ نہیں دی گئی؟

جواب: (ایسا نہ کرنے کی) دلیل یہ ہے کہ "اموال" کو مفتوح العنوہ" اس شرط پر قرار دیا جا سکتا ہے کہ یہ اراضی فتح کے وقت آباد ہو۔ آج ہمیں اجمالی طور پر اتنا تو معلوم ہے کہ ایران کی بیشتر اراضی "مفتوح العنوہ کے حکم میں آتی ہے۔ لیکن ایسی اراضی جو فتح کے وقت آباد پائی گئی تھی کی صحیح صحیح نشاندہی نہیں ہو سکتی۔ اس بناء پر اس پہلو پر ہماری واقفیت مجمل ہے مفصل نہیں اسی لئے تو ایران کی ساری اراضی یا اس کے کچھ حصہ کا مفتوح العنوہ ہونا بے مقصد ہو گیا ہے، اور ہمیں تو تقسیم اراضی کے وقت سارے قواعد و ضوابط سے رجوع کرنا ہے کہ آیا زمین "بنجر" ہے یا "زیرِ کاشت" وغیرہ۔

سوال: آئین نے ملکیت کو تین بنیادی قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ ریاستی (COOPERATIVE) اور نجی اور بھاری صنعتوں، بیرونی تجارت، بنکاری، کارخانہ داری اور بیمہ کو ریاست کی ملکیت میں لے لیا ہے اس امر کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ آپ مجلس خبرگان کے نمائندہ تھے آپ سے اس تقسیم کی فقہی بنیادوں کی نشاندہی کا خواہاں ہوں۔

جواب: فقہ اسلامی میں اصولی طور پر تین قسم کی ملکیت پائی جاتی ہے، ۱۔ نجی ملکیت

۲۔ ریاست کی ملکیت (جیسے "انفال"، اراضیات کانوں اور ذخائر آب پر...)۔

۳۔ عمومی ملکیت اسی طرح جیسے اراضی مفتوح العنوہ کے ضمن میں مذکور ہے اور خمس اور زکوٰۃ وغیرہ۔

اس طرح سے جیسا کہ آپ نے دیکھ لیا ہے آئین میں دی گئی ملکیت کی تقسیم فقۂ اسلامی میں کی گئی ملکیت کی تقسیم بندی سے باہر نہیں بلکہ انہیں حدود کے اندر قائم کی گئی ہے اور مجلس

خبرگان نے صرف یہ کام کیا ہے کہ عصری تقاضوں کو مدِّ نظر رکھ کر (قانون) کی نوک پلک سنواری ہے.

سوال: خصوصی طور پر بھاری اور بنیادی صنعتوں، بیرونی تجارت، بنکاری، بیمہ، بحری مواصلات، ہوا پیمائی وغیرہ کو ریاست کی ملکیت قرار دینے کی دلیل کیا ہے؟

جواب: جو بات مسلّم ہے وہ تو یہ ہے کہ اسلام نے امور کی پیش بینی کرتے ہوئے ملکیت کو اصولاً محدود کر دیا ہے. ملکیت کوئی بیکار مٹی یا ریت تھوڑی ہے کہ جس کا جتنا جی چاہے سمیٹ لے. اسلام نے ملکیت کو مقاصد اور اطراف سے محدود کر دیا ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ملکیت کو اسلام نے فقط ایک ہی طرف سے آزاد چھوڑا ہے.

اگر ایسا ہو کہ کسی کی ملکیت دوسروں کی ملکیت کے لئے ضرر رساں ہو اور یا معاشرہ میں فساد کا موجب بن رہی ہو. مثلاً کسی کی ملکیت معاشرہ کے لئے استثماری کا باعث بن رہی تو ایسی ملکیتوں پر اسلام تحدید لگاتا ہے اور ان کی کوئی قانونی حیثیت تسلیم نہیں کرتا ہے. اس ضمن میں ہمارے پاس "لاضرر" اور "لاحرج" اور "الناس مسلطون" کے اصول موجود ہیں. (مشہور اصول "تمام لوگ اپنے اموال پر تسلّط رکھتے ہیں کی طرف اشارہ ہے. س) ان ہر دو کو باہم مربوط کرنا چاہیئے. مثال کے طور پر اسلام سٹہ باز سے حقوق ملکیت سلب کرتا ہے اس لئے کہ اسلام معاشرہ کے اجتماعی مفادات کو مقدم رکھتا ہے.

آئین نے بھی یہ بات مدنظر رکھی ہے کہ اگر اس شعبہ میں بھی جس کی سمت اشارہ کیا جا چکا ہے (بھاری صنعتیں، بنکاری بیرونی تجارت) حق ملکیت بھی نجی شعبہ میں دے دیا جائے تو یہ ایک امریکی بورژوائی سامراجی نظام بن جائیگا اور اس سے معاشرہ استثمار کا شکار ہو جائیگا. اس صورت حال سے بچنے کے لئے آئین نے اس قسم کی اقتصادی کارکردگی کو ریاست کی ملکیت میں دے دیا ہے.

مطلب یہ ہوا کہ جس صورت میں بھی نجی ملکیت استثماری کیفیت اختیار کرلے اُسے نجی شعبہ سے خارج کیا جا سکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! جب بھی اور جیسے بھی نجی ملکیت استثمار کی راہ چل نکلے اس کو وہیں روک دیا جائے اور بنکوں، صنعتوں اور بیرونی تجارت کو ریاست کی ملکیت میں اسی لئے لیا گیا ہے.

سوال: کوا پریٹو ملکیت جو تین قسم کی آئینی ملکیتوں

Marfat.com

میں سے ایک ہے کا تجربہ قبل ازیں ایران نے نہیں کیا ہے. ہو سکے تو اس قسم کی ملکیت کے بارہ میں وضاحت فرمائیے؟

جواب: اس قسم کی ملکیت ابھی روبعمل نہیں ہو پائی ہے لیکن بتدریج اس پر عمل درآمد کیا جائے گا مثلاً بے کار ڈپلوما ہولڈر کی فاؤنڈیشن موجود ہے اور یہی ہو سکتا ہے کو اپریٹو ملکیتوں کا پیش خیمہ ثابت ہو اور زرعی یا صنعتی بنیادوں پر ایک گروپ کی ملکیت کا یہی تصوّر ہے.

سوال: کیا یہ ملکیت کے مشابہ ہے جسے "مشاع" کہتے ہیں؟ (سادہ الفاظ میں ملکیت مشاع ایک ساجھے داری ہے جس میں سب ساجھے دار ملکیت کے ہر جزو میں شریک ہوتے ہیں اور ان میں اور ان میں کسی تقسیم کا تصوّر نہیں ہوتا ہے)

جواب: جی ہاں! اس وجہ سے کہ اس قسم کی ملکیت میں زمین کی اصل تو ریاست کی ملکیت رہتی ہے اور انہیں (CO-OPERATIVES کو) اسلامی ریاست زمین کے حق ملکیت میں دخل انداز نہیں ہونے دیتی بلکہ مواقع، وسائل اور زمین ان کے حوالہ کر دیتی ہے.

اصلاحات اراضی کے پروگرام میں یہ منشا موجود ہے تو زرعی اراضی اور بڑی صنعتوں کو کو اپریٹو کی صورت میں منظم کر دیا جائے.

سوال: دستور کے آرٹیکلز میں سے آرٹیکل ۴۹ بہت اہم ہے جو یہ کہتا ہے کہ ریاست "نامشروع" طریقوں مثلاً، غصب، موات زمینوں کی [illegible]...، سرکاری ٹھیکہ داریوں اور سب نامشروع طریقوں سے حاصل شدہ اموال کو کالعدم قرار دے کر ان کو ان کے اصلی مالکان یا بیت المال کے حوالہ کر دے گی. لیکن غالباً سرکار نے اس پہلو میں تحقیقات کے لئے کوئی قطعی اقدام نہیں اٹھایا ہے؟

جواب: کچھ ضبطیاں تو ایسی ہیں جو انجام پذیر ہو جاتی ہیں اور کبھی کچھ پر اعتراضات وارد ہو جاتے ہیں جس سے رکاوٹ پڑ جاتی ہے کیونکہ اسی آرٹیکل کی منشاء اور ہدف کے مطابق اس ضمن میں تحقیقات کی جاتی ہے. اسلامی ریاست کا فریضہ یہ ہے کہ ان تمام اموال کو جو غصب کے راستہ اور نہ صرف غصب بلکہ ہر نامشروع راستے سے حاصل کئے گئے ہیں گرفت میں لے کر ضبط کر لے. چاہے یہ اموال سود سے، غصب سے، منشیات کی فروخت سے یا اراضی موات کے بیچنے سے حاصل کئے گئے ہوں بالخصوص اراضی موات کی فروخت سے کئی لاکھ پتی اور کروڑپتی بنے ہیں. موات زمینیں جو عوام اور ریاست کی

ملکیت ہیں اور ہر شخص کی حسب احتیاج ان سے رفع نیاز ہوتی تھیں زمین خوروں کے ہتھے چڑھ گئیں شہروں کے نزدیک ہیکڑوں زمین ان کے کھاتوں میں ڈال دی گئی اور بعد میں انہوں نے دو ہزار تومان فی میٹر فروخت کی.

اس طرح ایک شخص تو کروڑپتی بن گیا اور نچلے طبقے کے لوگ ایک گھر تک بنانے کی سکت سے محروم ہوگئے.

سوال : تو اس طریقہ سے ملکیت "لاضرر" کی بنیاد پر محدود کی جاتی ہے، یعنی ایسا نہ ہو کہ معاشرہ کے لئے ضرر کا سبب بنے ؟

جواب : جی ہاں! اور فقط "لاضرر" ہی نہیں کہ جس سے ملکیت کو محدود کیا گیا ہے. ملکیت محدود کی گئی ہے "لاضرر" سے اور ملکیت محدود ہے "لاحرج" سے اور ملکیت محدود ہے اس امر سے کہ صرف مشروع طریقے سے حاصل کی گئی ہو اور محدود ہے اس حکم سے کہ شرعی فنڈز مثلاً خمس زکوٰۃ کی طرح کسی وقت بھی ساری کی ساری ملکیتیں ولائت فقیہ کے باب میں ہی ضم ہو جائیں.

سوال : ہماری بحث ابھی تک تو بڑی ملکیتوں کے بارہ میں تھی. فرض کیجئے اگر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ایک متوسط درجہ کی صنعت بھی معاشرہ کے لئے باعث ضرر یا موجب استثمار بن رہی ہے تو اس کے لئے فقہی حکم کیا ہے ؟

جواب : اسلامی حکومت میں حاکم ہمیشہ معاشرے کے سر پہ رہتا ہے اور ولائت کے فرائض سرانجام دیتا ہے فرض کیجئے یہ ملکیت متوسط سے کمتر ملکیت کوچک ہے لیکن امر واقعہ میں معاشرہ کے لئے ضرر کا باعث بن رہی ہے تو ایسے مالک سے بھی ملکیت سلب کر لی جائے گی.

سوال : آپ جانتے ہیں کہ ہماری اقتصادیات دیگر امور معاشرہ سے (بین الاقوامی طور پر) وابستہ ہیں اور اس میں بھی شک نہیں اس وابستگی کا خاتمہ ہونا چاہیئے، فقہ اسلامی کے "قاعدہ نفی سبیل" کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہ جس کی رُو سے اغیار کا تسلط قبول کرنے سے مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے آپ کے خیال میں (ASSEMBLY PLANTS) کی صنعت کو جو بہر حال اقتصادی تسلط کی ایک صورت ہے کس طرح قائم رکھا جا سکتا ہے ؟

جواب : جس اصول کا آپ نے ذکر کیا ہے خود آیت شریفہ "ولن یجعل اللہ للکافرین علی المسلمین سبیلا" سے برآمد ہوتا ہے آپ نے جو اس آیت شریفہ کے مطالب بتلائے ہیں فی الحقیقت وہ اس کے معانی میں سے ایک ہیں لیکن بہر صورت اس امر میں کیا ابہام ہے کہ وابستگی کو ختم کیا جانا چاہیئے اور (ASSEMBLY PLANTS) کی صنعت کو جلد سے جلد تر خود کفیل قومی صنعت میں بدل دینا چاہیئے

Marfat.com

نوٹ:۱۔ استثمار سے مراد دوسرے کی محنت کا پھل اچک لینا ہے۔

۲۔ (ASSEMBLY PLANTS) صنعت مونتاژ کا ترجمہ ہے جس سے مراد بیرونی ممالک سے درآمد کردہ پرزوں کو اور حصوں کو جوڑ کر مشین کو قابل کار حالت میں لایا جاتا ہے۔

۳۔ مجلس خبرگان، ایرانی پارلیمنٹ پر نگران چھ رکنی ادارہ کا نام ہے۔

"عقل سے بڑھ کر کوئی ثروت نہیں اور جہالت سے بڑھ کر کوئی بے مائگی نہیں۔ ادب سے بڑھ کر کوئی میراث نہیں اور مشورہ سے زیادہ کوئی چیز معین و مددگار نہیں۔"

★

"جو لوگوں کا پیشوا بنتا ہے تو اسے دوسروں کو تعلیم دینے سے پہلے اپنے کو تعلیم دینا چاہیئے اور زبان سے درسِ اخلاق دینے سے پہلے اپنی سیرت و کردار سے تعلیم دینا چاہیئے اور جو اپنے نفس کی تعلیم و تادیب کر لے وہ دوسروں کی تعلیم و تادیب کرنے والے سے زیادہ احترام کا مستحق ہے۔"

★

"انسان کی ہر سانس ایک قدم ہے جو اسے موت کی طرف بڑھا کے لئے جا رہا ہے۔"

★

"ہر شخص کی قدر و قیمت وہ ہنر ہے جو اس شخص میں ہے۔"

★

"جاہل کو نہ پاؤ گے مگر یا حد سے بڑھا ہوا یا اس سے بہت پیچھے۔"

(حضرت علیؑ)

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر

دُعائے مکارم اخلاق

حجّۃ الاسلام والمسلمین

آقای مُفتی

جعفر حسین

بادی النظر میں نیکی و بدی میں امتیاز نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ نیک و بد اعمالِ ظاہری صورت کے لحاظ سے یکساں ہوتے ہیں اور ان میں کوئی امتیازی فرق نظر نہیں آتا۔ چنانچہ زن و مرد کے تعلّقات وہ جائز ذریعہ سے ہوں یا ناجائز طریقہ سے دونوں ایک

سے ہیں۔ اسی طرح دروغ مصلحت آمیز اور دروغ بے مصلحت، اکل حلال اور اکل حرام، قتل بے گناہ اور قتل خطا کاران میں بظاہر کوئی فرق نہیں ہے وہاں بھی ایک خلاف واقع چیز کا بیان کرنا ہے، اور یہاں بھی۔ یونہی متکبر کے مقابلہ میں تکبّر کرنے اور

عام طور پر اترانے اور ماہ رمضان میں دن کے وقت کھانے پینے اور دوسرے دنوں میں کھانے پینے میں فعل کی نوعیت یکساں ہے. اس یکسانیت کے باوجود ایک کو اچھائی اور ایک کو برائی اور ایک کو کارِ ثواب اور دوسرے کو گناہ سے تعبیر کرنے کی کیا وجہ اور دونوں میں تفریق کرنے کی کیا ضرورت؟ اگرچہ حدود و قیود سے آزاد نگاہیں ان میں تفرقہ نہیں کر سکتیں مگر جو لوگ کسی آئین و شریعت اور ضابطۂ اخلاق کے پابند ہوتے ہیں وہ ان کی ظاہری ہیئت وصورت اور یکسانیت و یک رنگی پر نظر نہیں رکھتے بلکہ ان دونوں کے درمیان جو حد فاصل حائل ہے اس پر نظر کرتے ہوئے دونوں کو بالکل جدا جدا تصوّر کرتے ہیں اور اسی حد فاصل سے خیر و شر کی حدیں قائم ہوتیں اور عیوب و محاسن کے پیمانے مقرر ہوتے ہیں اور یہ حدِ فاصل اسی وقت نظر آتی ہے جب ایمان کے ساتھ تقویٰ اپنا نورانی پرتو ڈالتا ہے. چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

یا ایّھا الّذین اٰمنوا ان تتقوا اللّٰہ یجعل لکم فرقاناً.

یعنی "اے ایماندارو! اگر تم تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے (نیک و بد میں) ایک حد فاصل قرار دے گا."

اگر اس حد فاصل کو نظر انداز کر کے اخلاق فاضلہ اور اوصافِ زیادہ کا معیار عوامی عقل کو قرار دے لیا جائے تو اگرچہ وہ ایک حد تک اخلاقی اصولوں کی طرف رہنمائی کرتی ہے مگر اخلاق کا عملی لائحہ پیش کرنے سے قاصر ہے چنانچہ جنہوں نے عقل پر اخلاق کی بنیاد رکھی وہ یہ نہیں کہتے کہ راست گفتاری و عدل گستری معیوب و سخاوت و شجاعت بری چیز ہے اور اس کے مقابلہ میں کذب و ظلم اور بخل و بزدلی اچھی صفتیں ہیں مگر ان کے حدود اور مواقع استعمال کیا ہیں تو اس میں اس کی رائیں مختلف نظر آتی ہیں اور ایک، ایک راہ پر چلتا ہے تو دوسرا اس سے بالکل الگ راستہ اختیار کرتا ہے کیوں کہ مختلف عقول و افہام کے قائم کردہ نظریات کسی ایک مرکزی نقطہ پر مجتمع نہیں ہو سکتے. ایسی صورت میں ان کی پیروی کرنے میں قدم قدم پر رکاوٹیں پیدا ہوں گی اور مختلف نظریات میں سے صحیح نظریہ کا انتخاب مشکل ہو جائے گا. اس کے علاوہ عقل کا دائرۂ عمل محدود ہے اور وہ دنیائے محسوسات سے الگ ہو کر کسی قسم کا کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتی اور قدم قدم پر حواس کا سپر انداختہ ہونے پر مجبور کر دیتے ہیں. چنانچہ جب انسان میں خواہشات و جذبات ابھرتے ہیں تو وہ عقل کے مقابلہ میں ان سے جلد مغلوب ہو جاتا ہے اور عقل کے صریح احکام کو ٹھکرا کر ہوائے

Marfat.com

نفسانی کے پیچھے ہولیتا ہے لہٰذا تنہا عقل نصب العین تو درکنار انفرادی زندگی کا بھی کوئی یقینی صحیح اور ناقابل ترمیم آئین اخلاق ترتیب نہیں دیا جاسکتا۔ ان حالات میں ایک ایسے معیار کی ضرورت سے انکار نہیں ہو سکتا جو عقب کی درماندگیوں میں رہنمائی کر سکے اور ایک ایسا ناقابل تغیر آئین پیش کرے جو حیاتِ انسانی کے ہر دور میں قابلِ عمل ہو۔ اور وہ معیار وحی تنزیل ہے جس کی روشنی میں ترتیب دیا ہوا آئین وہ ہے جس کے اصول منضبط اور ضوابط ناقابل ترمیم ہیں اور جسے حاملان نبوّت و رسالت ہر دَور میں پیش کرتے رہے اور اس کے ذریعہ تہذیب نفس و تزکیۂ اخلاق کا درس دیتے رہے ہیں۔ ان معلمین اخلاق میں سب سے بلند مرتبت حضرت ختمی مرتبت ہیں جنہوں نے زیور اخلاق سے آراستہ کرنے اور انسانیت کی زلف پریشاں کو سنوارنے کے لئے وہ تعلیمات دیئے جو محاسنِ اخلاق کا سرچشمہ ہیں۔ یہ تعلیمات صرف قول تک محدود نہ تھے بلکہ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ پاکیزگیٔ سیرت کا ایک ضابطہ اور حسنِ اخلاق کا ایک زندہ قانون تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بعثت کا مقصد ہی یہ تھا کہ وہ علماً و عملاً اخلاقِ حسنہ کی تکمیل فرمائیں۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ہے کہ:

"بعثت لاتمم مکارم اخلاق"

یعنی "میں اس لئے مبعوث ہوا ہوں تاکہ مکارمِ اخلاق کو پایۂ تکمیل تک پہنچاؤں"۔

اور ان تعلیمات کو زندہ رکھنے کے لئے ان کے اوصیاء و نائبین جو سیرت و کردار اور اخلاق و اطوار میں انکے ورثہ دار اور علم و عمل میں ان کے آئینہ دار تھے ان تعلیمات کو نشر کرتے اور اپنے قول و عمل سے ان کا احیاء کرتے رہے۔ چنانچہ ان کے چوتھے وصی و جانشین حضرت زین العابدین علیہ السلام نے اس دعائے مکارم اخلاق میں اخلاقیات کے وہ درس دیئے ہیں جو اخلاق نبوی صلعم کے آئینہ دار اور الہامی تعلیمات کے حامل ہیں اور ان تمام جواہر پاروں کو سمیٹ لیا ہے جو تجلی بالفضائل (علمی و عملی اوصاف سے آراستگی) اور تخلی عن الرذائل (قبیح و پست عادات سے علیٰحدگی) پر مشتمل ہیں۔ ان دونوں جنبوں میں سے اگر ایک جنبہ کمزور ہے تو اس سے دوسرے جنبہ کا متاثر ہونا بھی ضروری ہے اس لئے اخلاقی تکمیل کے لئے ان ایجابی و سلبی دونوں پہلوؤں کو ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔ وہ ایجابی صفات جو اس دعا میں بیان ہوئے ہیں یہ ہیں:

ایمان

یہ تمام محاسن اخلاق کا سرچشمہ ہے اس لئے اسے سرفہرست جگہ دی ہے۔ ایمان کے معنی تصدیق

Marfat.com

وعمل دونوں کے مجموعہ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس کے متعدد درجات ہیں اور اہل ایمان کے مراتب و درجات میں جو تفاوت ہوتا ہے وہ ایمان ہی کے درجات کے بلند و پست ہونے کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ زبیری کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے کہا کہ:

"ان للایمان درجات و منازل یتفاضل المؤمنون فیہا عند اللہ، قال نعم"

یعنی "ایمان کے مختلف درجے اور مرتبے ہیں جن کے اعتبار سے ایمان لانے والے اللہ کے نزدیک ایک دوسرے سے فضیلت لے جاتے ہیں۔ حضرت (ع) نے فرمایا کہ ہاں ایسا ہی ہے۔"

چنانچہ پہلا درجہ یہ ہے کہ صرف زبان سے اللہ کی الوہیت اور پیغمبر صلعم کی رسالت کا اقرار کیا جائے اور بس۔ یہ ایمان اسلام کا مرادف ہے۔ جب انسان یہ اقرار کر لیتا ہے تو وہ مسلم کہلانے لگتا ہے اور اس کا ذبیحہ حلال اور جان و مال محفوظ ہو جاتا ہے۔

دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ زبان سے اقرار کیا جائے اور دل سے اعتقاد بھی رکھا جائے۔ مگر اسلام کے تعلیمات اور اس کے اوامر و نواہی پر عمل نہ کیا جائے۔

تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس اقرار و اعتقاد کے ساتھ کبیرہ گناہوں سے بچا جائے۔ اور ان فرائض کو پورا کیا جائے جنہیں ترک کرنا کبائر میں داخل ہے۔ جیسے نماز، زکوٰۃ، حج وغیرہ۔ یہ واضح رہے کہ احادیث میں جو نماز و حج و زکوٰۃ کے تارک کو کافر کہا گیا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اس مرتبہ ایمان سے خارج ہو گیا ہے۔ یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ تمام مراتب ایمان سے خارج ہو گیا ہے کہ اب اس پر کفر کے احکام عائد ہونے لگیں۔

چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ اقرار و اعتقاد کے ساتھ تمام واجبات بھی بجا لائے جائیں اور تمام محرمات سے اجتناب بھی کیا جائے۔

پانچواں مرتبہ یہ ہے کہ واجبات کے ساتھ مستحبات بھی ادا کئے جائیں اور محرمات کے ساتھ مکروہات سے بھی پرہیز کیا جائے۔

چھٹا مرتبہ یہ ہے کہ بعض مباحات کو بھی اس خیال سے چھوڑ دیا جائے کہ مبادا یہ کسی برائی کا پیش خیمہ بن جائیں اور کوئی غلط قدم اٹھ جائے۔ جیسے زیادہ باتیں کرنے سے اس لئے اجتناب کیا جائے کہ زبان سے کوئی ناشائستہ کلمہ یا جھوٹی بات نہ نکل جائے، یا کسی کی غیبت و بدگوئی نہ ہو جائے۔ یہ انبیاء و اوصیاء کے ایمان کا درجہ ہے اور اسی درجہ کو امام علیہ السلام نے اکمل الایمان سے تعبیر کیا ہے۔

ایمان صرف عقبیٰ ہی کا سرمایہ نہیں ہے بلکہ دنیا میں بھی انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کی

Marfat.com

فلاح و بہبود اس سے وابستہ ہے. چنانچہ جب انسان کے دل و دماغ میں ایک بالادست ہستی کا تصوّر پیدا ہوتا اور خداپرستی کا جذبہ ابھرتا ہے تو اسے کچھ ذمہ داریوں کا احساس ہوتا ہے، جس کے پیشِ نظر وہ چوری رشوت، خیانت، ظلم اور اس قسم کے دوسری اخلاقی عیوب سے کنارہ کش ہوجاتا ہے اور خودغرضی و مفاد پرستی کی سطح سے بلند ہوکر سیرت و کردار کے وہ اعلیٰ نمونے پیش کرتا ہے جس سے اجتماعی زندگی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی اور بڑی حد تک معاشرے کی بے اعتدالیاں کم ہوجاتی ہیں. اگرچہ حکومت کا قانون اور اس احتساب سے ایک حد تک ان مفاسد کی روک تھام کرتا ہے مگر قانون کا خوف انسان کے باطن میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکتا، اور اقتدار اسی حد تک حفاظت کرسکتا ہے جہاں تک اس کی دسترس ہے. وہ بازاروں، کوچوں عام گزرگاہوں اور مفاسد کے مرکزوں سے برائیوں کو دور کرسکتا ہے. مگر گھر کے گوشوں اور رات کے اندھیروں میں اس کا بس نہیں چلتا اور برائی کا چلن بدستور باقی رہتا ہے. اس موقع پر خدا کا خوف ہی قلب و روح کو متاثر کرسکتا ہے اور برائیوں سے مانع ہوسکتا ہے. حکومت کے کارندے کبھی نظروں سے اوجھل بھی ہوجاتے ہیں اور کبھی ان کی بے راہ روی کی وجہ سے خود ان پر نگران چھوڑنے کی ضرورت پڑجاتی ہے مگر اخلاقی وجدان جو ایمان کی بدولت طاقتور ہوتا ہے ہر دم نگرانی و حفاظت کا فریضہ انجام دیتا ہے خواہ دِن کا اجالا ہو یا رات کا اندھیرا، خلوت ہو یا جلوت، آبادی ہو یا ویرانہ.

یقین

کسی چیز کا علم اس طرح ہوجائے کہ اس کے خلاف کوئی احتمال نہ رہے یقین کہلاتا ہے. اس لحاظ سے یقین دو علموں کا مجموعہ ہوگا ایک معلوم کا علم اور دوسرے اس کے خلاف کے محال ہونے کا علم. اور یہ ایمان ہی کا دوسرا نام ہے. چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد ہے:

"الیقین الایمان کلہ"

یعنی "یقین ہی ایمان کا مل ہے."

اس یقین کے تین درجے ہیں. پہلا درجہ یہ ہے کہ دھوئیں کو دیکھ کر آگ کی موجودگی کا علم حاصل ہو، یہ اہلِ نظر و استدلال کا یقین ہے جو انہیں ترتیب مقدمات سے حاصل ہوتا ہے. یہ علم الیقین کہلاتا ہے.

دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس آگ کو آنکھ سے دیکھ لیا جائے، یہ خواص کو چشمِ بصیرت و دیدۂ باطن کے مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے. چنانچہ ذغلب یمانی نے امیرالمؤمنین علیہ السلام سے دریافت کیا کہ:

"ھل رایت ربک؟" یعنی "کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟

Marfat.com

فرمایا :

"لم اعبد ربًا لم ارہ" یعنی "میں اس رب کی پرستش نہیں کرتا جس کی جلوہ طرازی میری آنکھوں کے سامنے نہ ہو۔" یہ عین الیقین کہلاتا ہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ آگ کے شعلوں میں کود کر آگ کا علم حاصل ہو، یہ اہلِ شہود کا یقین ہے جو انہیں مبدأ فیض سے اتصال معنوی کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ یہ حق الیقین کہلاتا ہے۔ امام علیہ السلام نے اسی یقین کو افضل الیقین فرمایا ہے اور اسی مرتبہ عالیہ پر فائز ہونے کی اللہ تعالیٰ سے التجا کی ہے۔

نیت

کسی عمل کی انجام دہی کے قصد اور ارادہ کا نام نیت ہے اور یہ علم و عمل کے درمیان ایک واسطہ ہے جو ایک طرف علم سے وابستہ ہے اور دوسری طرف عمل سے۔ کیونکہ علم نہ ہو تو قصد نہیں ہو سکتا اور قصد نہ ہو تو عمل واقع نہیں ہو سکتا۔ اور قوائے عمل کے استعمال کے موقع پر یہ ایک ناگزیر اور طبعی چیز ہے۔ چنانچہ شارع (ع) کی طرف سے اگر بغیر نیت کے اعمال و عبادات کے بجالانے کا حکم ہوتا تو اس سے کوئی بھی عہدہ برآ نہ ہو سکتا۔ اس سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ نیت ان الفاظ کا نام نہیں ہے جو کسی عمل کے بجالانے کے وقت زبان سے کہے جاتے ہیں۔ کیونکہ نیت کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور الفاظ کا تعلق زبان سے۔ اس لئے زبان کے الفاظ کے بجائے دِل کے قصد و ارادہ کو نیت تصور کرنا چاہیئے۔ اس نیت کے مختلف درجات ہیں جن کے لحاظ سے اعمال میں رفعت یا پستی پیدا ہوتی ہے۔ اگر نیت میں صدق و خلوص ہے تو عمل بلند اور اگر ریا و نمود ہے تو عمل فاسد۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے :

"انما الاعمال بالنیات"

یعنی "نیت پر عمل کا انحصار ہے۔"

ان درجات میں سے پہلا درجہ یہ ہے کہ اس میں ریا و نمود کارفرما ہو۔ اس نیت کے ماتحت جو عمل واقع ہو گا اس پر ثواب کا مرتب ہونا تو درکنار گناہ عائد ہو گا۔ عبادات میں جو ریا کارفرما ہوتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں :

پہلی قسم یہ ہے کہ نفس عبادت میں تو ریا نہ ہو لیکن اس کے دوسرے اوصاف میں نمائش مقصود ہو۔ اس طرح کہ گھر پر نماز پڑھی جائے تو مختصر اور گھر سے باہر دوسروں کے سامنے پڑھی جائے تو طویل۔

دوسری قسم یہ ہے کہ مستحب عبادتوں میں ریا کرے۔ اس طرح کہ گھر میں یا تنہائی میں تو نوافل بجا نہ لائے مگر کہیں دوسری جگہ ہو تو نوافل بھی پڑھے

Marfat.com

اور نماز شب بھی بجائے۔

تیسری قسم یہ ہے کہ واجب عبادتوں میں ریاء کرے۔ اس طرح کہ گھر میں تو نہ نماز پڑھے اور نہ روزہ رکھے اور جب دکھلاوے کا موقع ہو تو نماز بھی پڑھے اور روزہ بھی رکھے۔ ریا کی یہ صورت سب سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہے۔

نیت کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ جنّت کی خواہش اور عذاب سے بچاؤ کے لئے عمل کرے۔ یہ نیت اخلاص کے منافی نہیں ہے کیونکہ شارع (ع) نے خود ترغیب و ترہیب سے کام لیا ہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ شکر و سپاس کو ملحوظ رکھتے ہوئے عمل کرے تاکہ اس شکر کے نتیجہ میں اس کی نعمتوں میں اضافہ ہو۔ یہ عمل بھی خلوص کا حامل ہوگا۔ اسی طرح ان عبادات میں جو دنیوی اغراض سے وابستہ ہوتی ہیں ان میں رزق، اولاد وغیرہ کا قصد کرنا صحت و اخلاص کے منافی نہ ہوگا۔

چوتھا درجہ یہ ہے کہ حیاء کے احساس سے متاثر ہو کر عبادت کرے۔

پانچواں درجہ یہ ہے کہ خدا کے جلال و جبروت کے اثر سے متاثر ہو کر اعمال بجالائے۔

چھٹا درجہ یہ ہے کہ تعمیل حکم کے لحاظ سے عبادت کرے۔

ساتواں درجہ یہ ہے کہ اسے عبادت کا اہل و سزاوار سمجھتے ہوئے اس کے آگے سر نیاز خم کرے۔

یہ نیت ان بندوں سے مخصوص ہے جو تقرب کے مدارج عالیہ پر فائز ہوتے ہیں اور اسی کو حضرت (ع) نے احسن النیات سے تعبیر فرمایا ہے۔ کیونکہ اس کے اندر حسن و خوبی اور اظہار عبودیت کے علاوہ اور کوئی جذبہ نہیں ہوتا۔ اسی کا ذکر امیر المؤمنین علیہ السلام کے اس ارشاد میں ہے:

"ما عبدتک خوفا من نارک ولا طمعا فی جنتک ولکن وجدتک اھلا للعبادۃ فعبدتک"

یعنی "میں نے تیری پرستش جہنم کے ڈر سے اور جنت کی طمع سے نہیں کی بلکہ تجھے عبادت کا سزاوار پایا ہے۔ اس لئے تیری پرستش کی ہے۔"

سایۂ طوبیٰ و دلجوئی حور و لب حوض
بہوائے سرکوئے تو برفت از یادم

عمل

اسلام نے اگرچہ علم کو بڑی اہمیت دی ہے مگر عمل کی اہمیت بھی ناقابل انکار ہے بلکہ علم کی اہمیت بھی اسی صورت میں ہے جب اس کے مقتضیات

Marfat.com

پر عمل کیا جائے اور اگر اس کے تقاضوں کو ٹھکرا دیا جائے تو وہ علم جہل، بلکہ جہل سے بھی بدتر ہے. کیونکہ جہالت کبھی معذوری کا سبب قرار پا جاتی ہے مگر علم کے بعد تو کوئی عذر مسموع نہیں ہوتا. لہٰذا علم اسی صورت میں سود مند سمجھا جا سکتا ہے جب اس کے ساتھ عمل بھی ہو اور عمل چونکہ نیت سے وابستہ ہے اس لئے جس مرتبہ پر نیت ہو گی اسی مرتبہ پر عمل ہو گا. اگر اس میں نمود و ریا ہو تو وہ عمل وبال جان ہے اور اگر صدق و خلوص کا حامل ہو تو وہ اخروی فوز و کامرانی کا پروانہ ہے. خداوند عالم عمل کی ظاہری شکل و صورت اور اس کی کمیت و مقدار کو نہیں دیکھتا بلکہ اس جذبۂ اخلاص کو دیکھتا ہے جس کے ماتحت وہ عمل بجالایا گیا ہو. اگر خلوص کے ساتھ کم عبادت ہو تو وہ اس طویل ذکر و ریاضت سے بہتر ہے جس میں خلوص کارفرما نہ ہو. ایسے اعمال ہی کو امام علیہ السلام نے احسن الاعمال سے یاد کیا ہے اور قدرت نے انہیں اعمالِ صالحہ سے تعبیر کیا ہے. چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

"فمن کان یرجوا لقاء ربّہ فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرک بعبادۃ ربّہ احداً"

یعنی "جو شخص لقائے پروردگار کی آرزو رکھتا ہے اسے عمل صالح بجا لانا چاہیئے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا چاہیئے."

عدل

افراط و تفریط کی دو مختلف سمتوں کے درمیان حد وسط کا نام عدل ہے. اس حد وسط کے التزام سے فضائل اور اس سے انحراف کے نتیجہ میں رذائل وجود میں آتے ہیں چنانچہ اخلاق کے بنیادی عناصر چار ہیں. حکمت، عفت، شجاعت اور عدالت. اور ان میں سے ہر عنصر وسط اور نقطۂ اعتدال پر واقع ہے اور اگر مرکز اعتدال سے اسے ہٹا دیا جائے تو ایک دوسری ہی نوعیت کی چیز پیدا ہو جائے گی. حکمت میں اگر افراط کی صورت ہو تو وہ خباثت اور چالاکی بن جاتی ہے اور تفریط کی صورت ہو تو وہ نافہمی و کند ذہنی ہو جاتی ہے. عفت میں اگر افراط ہو تو وہ جمود و بے حسی ہے اور تفریط ہو تو ہوس رانی و شہوت پرستی کہلاتی ہے. شجاعت میں اگر افراط ہو تو وہ قہر و تہور ہے اور تفریط ہو تو بزدلی و کم ہمتی کے نام سے پکاری جاتی ہے اور عدالت حد وسط سے انحراف کی صورت میں ظلم یا ذلت خواری کی شکل اختیار کرے گی. اسی طرح دوسرے اخلاقی فاضلہ میں عدل و توازن ہی باعث حسن و خوبی ہے چنانچہ اقتصاد و میانہ روی میں خوبی اسی لئے ہے کہ وہ بخل اور اسراف کے وسط میں ہے اور تواضع میں حسن اسلئے

Marfat.com

ہے وہ نہ غرور کی حد تک پہنچتی ہے اور نہ ذلتِ نفس کی سطح پر اتر آتی ہے۔ غرض ہر فضیلت وہ قول سے متعلق ہو یا عمل سے یا اعتقاد، عدل ہی اس کا اصل جوہر ہے اور چونکہ ہر چیز میں حد وسط سے انحراف کی صورت میں متفرق راہیں پیدا ہو جاتی ہیں اس لئے ضلالت کے راستے متعدد اور ہدایت کا راستہ ایک ہوگا۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

"ان ہٰذا صراطی مستقیماً فاتبعوہ ولا تتبعوا السبیل فتفرق بکم عن سبیلہ۔"

"یہ میرا سیدھا راستہ ہے اسکی پیروی کرو اور دوسرے متعدد راستوں کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تمہیں حق کی راہ سے منتشر کر دیں گے۔" (باقی آئندہ)

"کامیابی دُور اندیشی سے وابستہ ہے، اور دُور اندیشی فکر و تدبّر کو کام میں لانے سے اور تدبّر بھیدوں کو چھپا کر رکھنے سے۔"

"لوگوں کے دِل صحرائی جانور ہیں جو ان کو سدھائے گا اس کی طرف جھکیں گے۔"

"معاف کرنا سب سے زیادہ اسے زیب دیتا ہے جو سزا دینے پر قادر ہو۔"

"سخاوت وہ ہے جو بن مانگے ہو۔ اور مانگے سے دینا شرم ہے یا بدگوئی سے بچنا۔"

"قناعت وہ سرمایہ ہے جو ختم نہیں ہو سکتا۔"

Marfat.com

مدرس

تاریخ کی زندہ و تابندہ شخصیت

بلاشبہ سیّد حسن مدرّس تاریخ بیداریِ ایران کی ان عظیم شخصیتوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے آغاز مشروطیت کے ساتھ ہی ملّتِ ایران کی دلیرانہ جدوجہد کی روش میں خوشگوار تبدیلیاں پیدا کی تھیں۔

مدرس کی کہانی خود انکی زبانی:

میں تقریباً ۱۲۸۷ھ میں اردستان کے ایک گاؤں سرابہ کچو میں پیدا ہوا۔ میرے والد اسماعیل اور دادا میر عبدالباقی جو اصلاً "زوارہ کے رہنے والے تھے۔ سادات طباطبائی کے عبادت گزار طبقہ سے تعلّق رکھتے تھے۔ میرے والد اور دادا صاحبِ منبر تھے اور احکامِ الٰہی کی تبلیغ ان کا شغل تھا۔ میرے دادا میر عبدالباقی، جن کا شمار اپنے وقت کے زاہدوں میں ہوتا تھا، نے اصفہان کے جنوب میں فارس کے راستے میں واقع قمشہ کی طرف ہجرت کی اور مجھے بھی تعلیم و تربیّت کی غرض سے چھ سال کی عمر میں اپنے ہمراہ قمشہ لائے۔ میں نے اپنا بچپن انہی بزرگوار کے پاس گزارا۔ ابھی میں چودہ سال کا تھا کہ میرے جدّ محترم کا انتقال ہوگیا۔ انہی کی وصیت کے مطابق سولہ سال کی عمر میں بغرض حصولِ تعلیم میں اصفہان گیا۔ جہاں تیرہ سال حصولِ علم میں مشغول رہا۔ ۲۱ سال کی عمر میں والد کا سایہ میرے سر سے اُٹھ گیا۔ اصفہان میں اپنے قیام کے دوران قریباً تیس اساتذہ سے عربی، فقہ، اصول اور معقولات میں فیض حاصل کیا۔ جن میں علومِ عربیہ میں مرحوم میرزا عبدالعلی ہرندی نحوی کو امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ جب کہ علومِ عقلی میں مرحوم جہانگیر خان قشقائی اور اخوند ملّا

Marfat.com

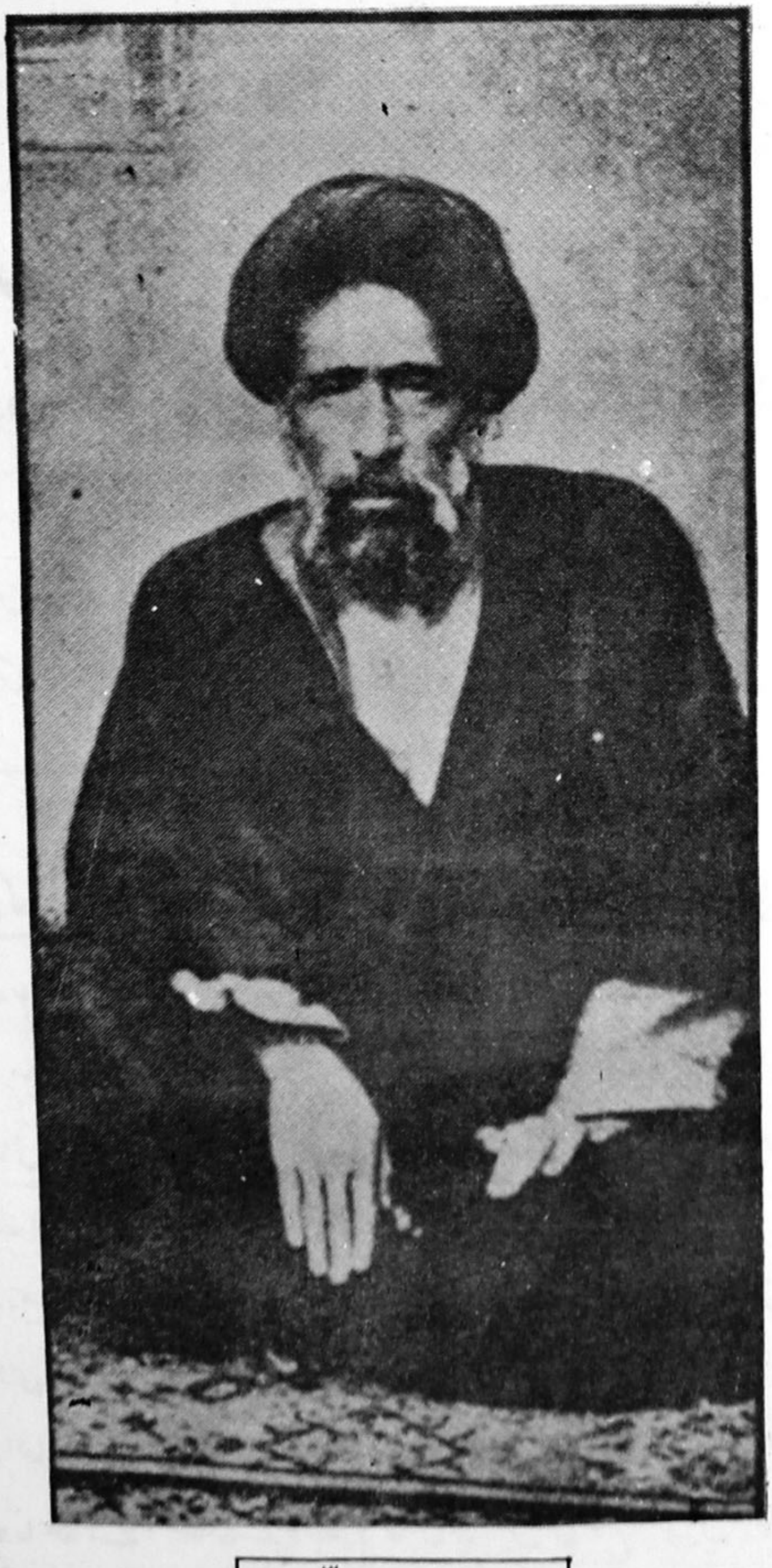

سیّد حسن مدّدس

Marfat.com

محمدؐ کاشانی ممتاز تھے۔ یہ ہر دو بزرگوار زندگی بھر اصفہان کے مدرسۂ صدر میں علم کی خدمت کرتے رہے اور زہد و تقویٰ کے ساتھ آراستہ دُنیا سے رخصت ہوئے۔

نمباکو کے واقعہ کے بعد عتبات عالیات کی زیارت سے مشرف ہوا۔ پھر آیۃ اللہ حاجی مرزا حسین شیرازیؒ سے کسبِ فیض کی خاطر نجف اشرف میں رہائش اختیار کی۔ میں نے اس زمانہ کے علماء کو تبرّکاً و تیمناً درک کیا اور ان میں اکثر سے میں نے استفادہ کیا لیکن عمدہ استفادہ مرحوم خراسانی و یزدی سے کیا۔ سات سال عتبات میں گزارنے کے بعد میں اصفہان واپس آگیا۔ جہاں فقہ اور اصول کا درس دینے میں اس طرح مصروف ہوگیا جیسے اس وقت مدرسۂ سپہ سالار (شہید مطہری) میں مصروف ہوں اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ بقیہ زندگی بھی ایسی ہی مصروفیت میں گزر جائے۔ اصفہان واپس آنے کے بعد صرف اجتماعی امور پر بحث اور تدریس میں مصروف تھا تا آنکہ انقلاب مشروطہ کے استبداد کی وجہ سے حالات نے نیا رُخ اختیار کیا۔ عتبات عالیات کے علماء کرام کے حکم اور ان کی دعوت پر پارلیمنٹ کے دوسرے دور کے لئے رکن کی حیثیت سے تہران آنا پڑا۔ اور اب تک پارلیمنٹ کے کئی دَور دیکھے ہیں۔

مدرس اصفہان میں انجمن ولایتی کے رکن کی حیثیت سے:

حکومتِ مشروطہ کے قیام کے بعد اصفہان کے ایک بزرگ اور با اثر عالمِ دین حاج نور اللہ کی تجویز پر مدرس اصفہان سے انجمن ولایتی کے رکن منتخب ہو گئے اور اس انجمن میں ہمیشہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف رہے لیکن بعد میں اصفہان کے ایک حاکم صمصام السلطنۃ کے ساتھ اختلافات اور اس کے غیر انسانی اعمال پر اعتراض کی بناء پر مدرس اس انجمن سے خارج ہو گئے۔

مدرس پارلیمنٹری محاذ پر:

حکومتِ مشروطہ کے قیام کے بعد قومی پارلیمنٹ کے دوسرے دَور کے لئے مدرس مراجعِ تقلید اور علماء کی جانب سے منتخب ہونے والے پانچ افراد میں سے ایک تھے۔ وہ ان نادر لوگوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے صحیح معنوں میں پارلیمنٹ میں نمائندگی کی درحقیقت پارلیمنٹ کے اس دوسرے دَور میں مجتہدین اور مراجع تقلید کے ترجمان تھے۔ پارلیمنٹ میں ان کی باتوں کو جن سے استعمار کے خلاف مدرس کی زبردست جنگ جاری رہتی تھی، ہمیشہ سراہا جاتا رہے گا۔

Marfat.com

روسی حکومت کا الٹی میٹم:

پارلیمنٹ کے دوسرے دَور کے آخری دنوں روس کا عمل دخل اپنی انتہاء کو پہنچ گیا تھا اور اگر پارلیمنٹ کے تیسرے دَور کے لئے اراکین کے انتخاب کا عمل شروع ہو جاتا تو یقیناً روس کی مداخلت اور زیادہ بڑھ جاتی اسی لئے پارلیمنٹ کے اراکین کا خیال تھا کہ مزید توسیع دی جائے کہ اسی اثنا میں روس نے ایران کو الٹی میٹم دیدیا کہ امریکی مشیروں کو ایران سے نکال دیا جائے بصورت دیگر روس ۴۸ گھنٹوں کے اندر قزوین کے راستے ایران پر حملہ کردیگا اور تہران پر قبضہ کر لے گا.

مدرس نے اس الٹی میٹم کی مخالفت کی جبکہ پارلیمنٹ کے روس نواز ارکان الٹی میٹم کو قبول کرنے اور مشیروں کو نکالنے کے حامی تھے. ادہر حکومت پارلیمنٹ پر دباؤ ڈال رہی تھی کہ اس کی تصویب کردی جائے. اس سلسلہ میں ایک امریکی مورخ لکھتا ہے:

"ایک ایرانی عالم ہاتھ میں عصا لئے (مدرس مرحوم) روسٹرم پر کھڑا ہوگیا اور کہا کہ اگر ہمیں نابود ہونا ہی ہے تو ہونے دیجئے ہم کیوں اپنی نابودی کے پروانہ پر دستخط کریں."

اس کی مخالفت نے پارلیمنٹ کو جرأت بخشی اور قرارداد مسترد کردی گئی. اس طرح ایک کمزور و ضعیف عالم نے روس جیسی بڑی طاقت کے الٹی میٹم کو مسترد کر دیا.

مدرس اور ہجرت:

پہلی عالمی جنگ کے بعد ایران شمال اور جنوب ہر دو جانب سے دو استعماری طاقتوں روس اور برطانیہ کی جانب سے خطرات میں گھر گیا. چنانچہ جب یہ احتمال بڑھ گیا کہ دارالحکومت کو توسیع پسندوں کی جانب سے خطرہ ہے پارلیمنٹ کے کئی رکن اور بہت سے سرکاری ارکان قم کی طرف چلے گئے، اور "دفاعِ ملّی" کے نام سے ایک کمیٹی کی تشکیل کی اور عثمانی حکومت کی حمایت سے ایران کی خود مختاری کا دفاع کرنے کا عزم کیا. روس کو جب یہ علم ہوا کہ ایسی کمیٹی تشکیل دی گئی ہے تو اس نے تہران کی بجائے قم پر حملہ کر دیا، اور رضا کاروں اور چھاپہ ماروں کو شکست دیدی. قومی دفاعی کمیٹی کے ارکان نیز سیّد محمّد طباطبائی مدرس جیسے افراد کے علاوہ بہت سے آزاد لوگ کاشان و اصفہان اور بعد ازاں قومی حکومت کی تشکیل کے لئے کرمانشاہان چلے گئے.

مدرس پر قاتلانہ حملہ:

مغرب میں قیام کے دوران مدرس پر دو بار قاتلانہ حملے کئے گئے. لیکن دونوں بار ان کی جان بچ

Marfat.com

گئی. اس لئے قومی حکومت کی تشکیل کے بعد کرمانشاہ میں رکنا ممکن نہ تھا. اس لئے عثمانیہ چلے گئے. مدرس نے سلطنت عثمانیہ کے افسروں سے اپنے مذاکرات میں ایران کی حیثیت کا دفاع کیا.

ہجرت سے واپسی:

پہلی عالمگیر جنگ کے بعد ایران بیرونی طاقتوں خاص طور پر ہمسایہ شمالی وجنوبی طاقتوں کی مداخلت کی آماجگاہ بن گیا. یہی وجہ تھی کہ مدرس سلطنت عثمانیہ واپس آگئے. اور فیصلہ کیا کہ تمام کمزوریوں کا مقابلہ کیا جائے اور خدا اور مخلوق خدا کی خدمت کا کام دوبارہ شروع کر دیا جائے. ان کی وطن سے دوری کے دنوں میں وہ اپنے ایک فرزند سے محروم ہو گئے تھے. اور دوسرے فرزندوں کو بے پناہ سختیوں کا مقابلہ کرنا پڑا تھا. ان دنوں پارلیمنٹ کو بہت اختیارات حاصل تھے لہٰذا مدرس ماضی کی طرح فقہ و اصول کی تدریس میں مشغول ہو گئے اور مسجد سپہ سالار میں درس دینے کے علاوہ اس کی تولیت بھی قبول کی. ساتھ ہی سیاسی کاموں میں مؤثر اور فیصلہ کن حصہ لیا. مدرس جب ہجرت سے واپس وطن آئے تو اس وقت صمصام السلطنت ملک کا وزیر اعظم تھا. ان دنوں پورے ایران میں خاص طور پر تہران میں خشک سالی کی وجہ سے ایسا قحط پڑا کہ ملک کے حالات انتہائی پریشان کن ہو گئے لوگ صمصام السلطنت کو ان حالات کا ذمہ دار سمجھتے تھے اور پوری کابینہ کے خلاف بغاوت کے لئے آمادہ تھے جہاں بھی کوئی اجتماع ہوتا لوگ صمصام السلطنت اور اس کی کابینہ کی برطرفی کا مطالبہ کرتے. مدرس بھی ان لوگوں کے ہمنوا تھے، مگر چونکہ کابینہ کا مستعفی ہونے کا ارادہ نہ تھا اس لئے اپنے مطالبات منوانے کے لئے مدرس، تہران کے امام خطبہ حاج آقا جمال اصفہانی اور کئی دیگر علماء حضرت عبدالعظیم جا کر قلعہ بند ہو گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صمصام کی کابینہ ساقط ہو گئی اور وثوق الدولہ کا بینہ تشکیل دی.

مدرس کی قید اور جلاوطنی:

۱۲۹۹ھ کو برطانوی استعمار کے ذریعہ سید ضیاء اور رضاء کے فوجی انقلاب کے نتیجہ میں بہت سے پاک سرشت اور آزادی پسند لوگ گرفتار اور جلاوطن کئے گئے جن میں مدرس بھی شامل تھے. مدرس ابتداء میں چند دن اسی قید خانہ میں رکھے گئے جس میں فرمانروا، رکھا گیا تھا بعد میں وہ رہا کر دیئے گئے اور شیخ حسن یزدی کے ہمراہ قزوین بھیج دیئے گئے جہاں ان کو قید کر دیا اور سید ضیاء کی سیاہ کابینہ کے خاتمہ تک مدرس وہیں قید رہے.

Marfat.com

مدرس عزتِ نفس اور بلند طبعی کا ایک نمونہ تھے. چنانچہ جب وہ قزاقخانہ کی جیل میں تھے کسی وقت بھی اپنی اپنی رہائی کے پیچھے نہیں پھرے. انہیں صرف یہ فکر لاحق رہی کہ کابینہ ملک کے سیاسی حالات کو متزلزل نہ کردے. زنداں میں اپنے ساتھیوں سے اس سلسلہ میں اور فوجی انقلاب میں کارفرما بیرونی ہاتھ کے سلسلہ میں ہمیشہ گفتگو کرتے رہتے. اور اس فوجی انقلاب کے عزائم کے بارہ میں پیش بینی کرتے رہتے" مدرس نے کہا تھا کہ

"جس دن سید ضیاء وزیرِ اعظم ہوا ہے ملک
کی خودمختاری خطرے میں پڑ گئی ہے."

مدرس کی عزت نفس کو ثابت کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ دیگر سیاسی قیدیوں کی طرح انہوں نے جیل کے بستر کو کبھی استعمال نہیں کیا. بلکہ جب تک جیل میں رہے اپنی عبا بچھا کر عمامہ سر کے نیچے رکھ کر سویا کئے. سید ضیاء نے قتل کے مقدمات اور آزادی خواہوں کے قتل عام کا بندوبست کیا تھا لیکن احمد شاہ اور فوج کے کمانڈر رضا شاہ نے حکم دیا کہ اس کام سے اجتناب کیا جائے.

فوجی انقلاب کے دنوں میں پارلیمنٹ کے کئی با اثر ارکان قید میں تھے. ایک دن مدرس نے پیغام بھیجا کہ سپرنٹنڈنٹ جیل کریم آغا آجائیں جب وہ آیا تو مدرس نے کہا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ہمارا پیغام ہمارے عم زاد تک پہنچا دو. کریم آغا نے پوچھا. کون عم زاد مدرس نے کہا کہ "سید ضیاء الدین! میری طرف سے اس کو سلام کہو اور کہہ دو کہ تجھے کرنا تو یہ چاہیئے تھا کہ جنہوں نے ہمیں گرفتار کیا ہے سب کو مار دیتا اور پھانسی دیتا. اگر ایسا نہیں کیا تو گویا تو نے کچھ بھی نہیں کیا، گویا صرف اپنے آپ کو تھکا رہا ہے."

فرمانفرما، نصرت الدولہ اور کئی اور لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ آقا! یہ کیسا پیغام ہے کیوں اسے شہ دیتے ہو؟. مدرس کہتے ہیں کہ آپ لوگ اطمینان رکھیں اب سید ضیاء الدین کچھ نہیں کر سکتا. چنانچہ ایسا ہی ہوا. ابھی اس سیاہ کابینہ نے کوئی کام ہی نہیں کیا تھا کہ احمد شاہ کے حکم سے ساقط ہوگئی، اور مدرس سمیت تمام قیدی رہا ہو کر قزوین سے تہران واپس آگئے.

پارلیمنٹ کا چوتھا دور

اور رضا خان سے اختلافات:

مدرس پارلیمنٹ کے چوتھے دور کے لئے لوگوں کے بھاری اکثریتی ووٹوں کے ساتھ رکن بن گئے اور دو تین مرتبہ پارلیمنٹ کے سپیکر بھی منتخب ہوئے انہوں نے وثوق الدولہ اور ان نمائندوں کی مخالفت شروع کی جو ۱۹۱۹ء کی ذلت آمیز قرارداد کے حامی تھے اور ان کے زور بیان کی وجہ سے یہ ممکن نہ تھا کہ ان کی مخالفت میں کسی رکن کی قرارداد منظور ہو جاتی.

Marfat.com

رضا خان قلدر کے ساتھ ان کی مخالفت پارلیمنٹ کے اسی چوتھے دور میں شروع ہوئی جب وہ قوام السلطنۃ کی کابینہ میں وزیرِ دفاع تھا۔ ان دنوں پارلیمنٹ کے ارکان کے علاوہ دیگر سرکاری حکام بھی رضا خان میرپنج کی طرف سے جان و مال اور آبرو کے خوف سے اس کے خلاف بولنے کی جرأت نہ کرتے تھے۔ لیکن مدرس ہر مرحلہ پر رضا خان کی ہیبت کے بُت کو توڑنے کی سعی کرتا رہتا تاکہ اوروں میں سانس لینے کی ہمّت پیدا ہو۔ انہی دنوں مدرس نے کہا کہ ہم نے ہر شخص کو اختیار دیا ہے ہمیں رضا خان کا کوئی خوف نہیں ہے، ہم بادشاہ کو معزول کر سکتے ہیں ہم وزیرِ اعظم کو بلا کر اس سے پوچھ گچھ کر سکتے ہیں، اس کو معزول کر سکتے ہیں، اسی طرح رضا خان کو بھی۔ مدرس کی باتوں نے پارلیمنٹ کے اندر و باہر خوف و ہراس کا پردہ چاک کر دیا اور ایسے حالات پیدا کئے کہ فوجی حکومت ناکام اور اقوام السلطنت کی کابینہ ٹوٹ گئی۔

مدرس اور مستوفی کی کابینہ:

قوام السلطنت کی کابینہ کے ٹوٹنے کے چند روز بعد پارلیمنٹ کے ارکان کی بھاری اکثریت نے رئیس الوزراء مستوفی الممالک کے حق میں رائے دی جس کا شمار ایران کے پاک طینت اور شریف لوگوں میں ہوتا تھا اور دو روز کے بعد اس کی وزارت عظمیٰ کے فرمان پر احمد شاہ نے دستخط کئے۔ پارلیمنٹ کے چوتھے دور میں مستوفی کے انتخاب سے ایران کی سیاسی تاریخ میں مدرس کی جدّوجہد ایک نئے مرحلے میں داخل ہوگئی۔ کیونکہ یہاں سے مدرس کا مقابلہ ایک ایسے شخص سے شروع ہوتا ہے جو پاک دل، وطن پرست اور آزادی خواہ ہونے کے علاوہ لوگوں میں بھی مقبول ہے۔ اس مقابلہ کے نتیجہ میں بالآخر مستوفی بھی مستعفی ہو جاتا ہے۔ جب چند وکلاء نے مدرس سے پوچھا کہ آپ مستوفی جیسے شخص کی کیوں مخالفت کرتے ہیں جو وطن پرست اور نیک ہے تو مدرس نے جواب دیا:

"ایام امن و سلامتی کے لئے مستوفی درست ہے لیکن اب ہمیں مضبوط فولادی شمشیر کی ضرورت ہے جسے جنگ کے دنوں میں استعمال کیا جا سکے آج ہماری مملکت کو فولادی شمشیر کی ضرورت ہے۔"

مدرس اسی وقت اس کابینہ کو توڑنا چاہتے تھے لیکن چند ماہ کے بعد جیسا کہ مدرس نے پیش بینی کی تھی مستوفی کی کابینہ واقعاً کوئی عملی کام نہ کر سکی، یہی وجہ تھی کہ مدرس مستوفی کی کابینہ کی برطرفی چاہتے تھے بالآخر ۱۳۴۱ھ میں کابینہ کے سامنے مدرس نے ملک کی خارجہ

پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے وہ تاریخی الفاظ کہے جن سے مدرس کی جہان بینی اور اس کے اساس اور اصول کا اندازہ ہوتا ہے اپنے پرکشش اور مسحور کن بیان میں مدرس کہتے ہیں کہ :

ہمارا دین ہی ہماری سیاست ہے اور ہماری سیاست ہی ہمارا دین ہے۔"

ہم پوری دنیا کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہم اپنے نفع و نقصان کو خود جانتے ہیں۔ ہم دنیا کے تمام ممالک کے مادر مہربان سے زیادہ سے زیادہ دوست ہیں مگر صرف اس وقت تک جب تک وہ ہمارے ساتھ تعرض نہ کرے جو ہمارے ساتھ تعرض کرے گا ہم بھی اس کے ساتھ ضرور تعرض کریں گے مدرس کی تقریر کے بعد مستوفی نے بھی ایک تقریر کی اور آخر میں اعلان کیا کہ اکثریت کی رائے کے احترام میں میں استعفیٰ پیش کرتا ہوں۔

مدرس پر قاتلانہ حملہ :

جب ۱۳۰۴ھ کے نویں اجلاس میں زبردست جوڑ توڑ کے بعد رضا خان کو حکومت سونپنے کی قرارداد پیش ہوئی تو مدرس ان معدودے چند افراد میں سے ایک تھے جنہوں نے عملاً اس کی مخالفت کی لیکن اس بار منصوبہ اتنا سوچا سمجھا تھا کہ تنہا مدرس کوئی کام آگے نہ بڑھا سکے۔ نتیجہ میں رضا خان اکثریت رائے سے تخت سلطنت پر بیٹھ گیا اور رضا خان کے ساتھ مدرس کی مخالفت میں اضافہ ہوگیا۔ اس ڈکٹیٹر نے جب اپنے اقتدار کو خطرے میں دیکھا تو مدرس کے قتل کا حکم صادر کیا۔

چنانچہ ۱۳۰۵ھ میں ایک دن جب مدرس درس دینے کے لئے مجلس کی طرف جا رہے تھے کہ ایک گلی میں جو کہ کوچۂ سرداری کے نام سے مشہور تھا، چند افراد نے اچانک ان پر حملہ کر دیا اور سات گولیاں ان پر چلائی گئیں۔ مدرس کے پاس اپنے دفاع کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ ایک نحیف و لاغر بوڑھا آدمی جسکے ہاتھ میں عصا ہو کس طرح کئی مسلح افراد کا مقابلہ کر سکتا تھا؟ لیکن اس کی روح خوف و ہراس سے بالاتر تھی فوراً دیوار کی طرف رخ کر کے اپنی عبا کو دونوں ہاتھوں پر بلند کیا اور زانو کو خم کیا اس طرح پورا ضعیف بدن عبا کے نیچے چھپ گیا۔ اس طرح حملہ آور جس مقام کو قلب و سینہ سمجھ کر نشانہ بناتے رہے وہاں مدرس کے دونوں بازوؤں اور فضا کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا۔ اس عجیب اور ماہرانہ عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ حملہ آوروں کی گولیوں نے یا تو عبا کو چھید دیا یا کچھ دونوں بازوؤں کو۔ ایک گولی شانے پر بھی لگی لیکن ان میں سے کوئی گولی خطرناک نہ تھی۔ مدرس گر پڑے اور اُجرتی قاتلوں نے یہ سمجھا کہ انہوں نے اپنا فرض انجام دیدیا ہے۔ گولیوں کی آواز سے کچھ لوگ وہاں جمع ہو گئے اور مدرس کو ہسپتال لے گئے۔ بات جو مدرس نے ان

Marfat.com

سے کی وہ یہ تھی کہ:

"مطمئن رہو میں اس حادثہ سے نہیں مرونگا
ابھی میری موت کا وقت نہیں آیا ہے۔"

رضا خان نے جس کے حکم سے یہ قاتلانہ حملہ ہوا تھا مدرس کی دلجوئی کے لئے ٹیلیگرام بھیجا جس کا جواب مدرس نے یہ دیا کہ:

"دشمنوں کی آنکھوں میں خاک کہ مدرس
ابھی نہیں مرا۔"

مدرس کی گرفتاری:

پانچویں پارلیمنٹ کے اختتام تک رضا خان کو ایران میں حکومت مطلق حاصل ہو گئی تھی اور وہ اس قابل ہو گیا تھا کہ چھٹے دور کے انتخابات کے لئے اپنے آدمیوں کو منتخب کرا سکے۔ لیکن اسکے نہ چاہنے اور اس کے آدمیوں کے استبداد کے باوجود مدرس بھی پارلیمنٹ میں آ گئے تھے اور اگرچہ رضا خان کے خود فروش نمائندوں کے ذریعہ کارشکنیاں ہوتی رہتی تھیں لیکن مدرس ان کا پردہ چاک کرنے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ پانچویں پارلیمنٹ کے خاتمہ پر رضا خان نے فیصلہ کیا کہ مدرس کو پارلیمنٹ میں آنے سے روک دیا جائے اس منصوبے پر اس طرح عمل ہوا کہ مدرس کے صندوق سے ایک ووٹ بھی برآمد نہ ہوا۔ اس موقع پر مدرس نے طنزاً کہا تھا کہ:

"پس وہ ایک ووٹ جو خود میں نے اپنے آپ کو دیا تھا اس کا کیا بنا۔"

اس طرح مدرس نے سمجھایا کہ انتخابات کس قدر مضحکہ خیز ہوئے ہیں۔ اگرچہ اب پارلیمنٹ کا محاذ مدرس کے ہاتھ میں نہ رہا تھا تاہم رضا خان کی آمریت کے خلاف اپنی جد و جہد کو پہلے سے زیادہ انتھک طریقے سے جاری رکھا۔ لہٰذا رضا خان نے ایک طرف مدرس کے ساتھ اپنی سخت دشمنی اور دوسری جانب انگریز کی اس ہدایت کے پیشِ نظر کہ علماء کو کچل دیا جائے اور مدرسوں کو نابود کر دیا جائے۔ اس سب سے بڑے سدِّ راہ کو گوشہ نشین، قید، جلاوطن اور بالآخر قتل کرنے کا عزم کیا۔ اس نے مدرس کو شہر بدر کرنے کا حکم دیا اور انہیں اس حال میں کہ نہ دوش پر عبا اور نہ سر پہ عمامہ، راتوں رات تہران سے نکال دیا گیا تاکہ شہر میں کوئی ہنگامہ نہ ہو۔ مدرس کو "خواف" پہنچا دیا گیا، جہاں انہوں نے دس سال گزارے اور اس شہر کے رہنے والوں کو اپنی ممتاز شخصیت سے آگاہ کیا، حتیٰ کہ اس شہر کی میونسپلٹی سے ماہوار خرچ کے لئے ملنے والے ایک سو پچاس ریال سے "خواف" میں ایک تالاب بنوایا جو ابھی تک موجود ہے۔

مدرس کی شہادت:

رضا خان قلدر کو اپنی آمریت کا دائرہ وسیع

Marfat.com

کرنے اور اختیارات کو اپنی ذات میں مرکوز کرنے کے لئے مدرس جیسی مؤثر ترین ضد استبداد شخصیت کا خاتمہ کرنا ہی چاہیئے تھا تاکہ اس کی سیاست اور مرکزیت عملی شکل اختیار کرے۔ چونکہ مدرس کی مقبولیتِ عامہ کے پیشِ نظر رضا خان من مانی نہ کر سکتا تھا اس لئے اس نے انہیں قتل کرنے کا فیصلہ کیا اور بعض کو انہیں شہید کرنے کا حکم دیا۔ جنہوں نے مدرس کو اس وقت ان کے عمامہ سے گلا گھونٹ کر شہید کیا جب کہ وہ عین حالتِ نماز میں تھے۔

مدرس مردِ دین و سیاست:

ایران، سید جمال الدین افغانی اور سید محمد عبدہ وغیرہ جیسے مردان جہاد، مصلحوں اور شجاع و فداکار لوگوں سے پُر ہے جن میں سے ہر ایک تاریخ کی برگزیدہ شخصیت ہے لیکن مدرس کی حیثیت ہر لحاظ سے جدا ہے۔ وہ مسلّم مجتہد اور استبداد و استعمار کے خلاف انتھک جہاد کرنے والے تھے۔ اس راہ میں وہ کبھی پیچھے نہ ہٹے۔ اس کے علاوہ وہ علمی لحاظ سے تقدس و پاک دامنی، ہوش و خرد، شجاعت و شہادت اور لہجہ کی سادگی کے اعتبار سے بھی بے نظیر تھے۔ خودگزشتگی اور فداکاری میں بھی وہ ضرب المثل تھے۔

وہ ہر لحاظ سے ایک کامل فقیر تھے، وہ فقر جس پر پیغمبر کو فخر تھا اور فرماتے تھے۔ "الفقر فخری" وہی فقر جو مکمل بے نیازی، تونگری ... ان کی عظمت تھی۔

★

"جس نے طمع کو اپنا شعار بنایا اس نے اپنے کو سبک کیا اور جس نے اپنی پریشان حالی کا اظہار کیا وہ ذلّت پر آمادہ ہو گیا اور جس نے اپنی زبان کو قابو میں نہ رکھا اس نے خود اپنی بے وقعتی کا سامان کر لیا۔"

"جو شخص اپنے کو بہت پسند کرتا ہے وہ دوسروں کو ناپسند ہو جاتا ہے اور صدقہ کامیاب دوا ہے اور دنیا میں بندوں کے جو اعمال ہیں وہ آخرت میں ان کی آنکھوں کے سامنے ہوں گے۔"

ترک واختیار

حضرت علیؑ کی شخصیت کے دو پہلو

۶۔ مئی بروز جمعرات حضرت علیؑ کی ولادت اور مرتضیٰ مطہری شہید کی یاد میں خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران راولپنڈی میں ایک عظیم الشان تقریب منعقد ہوئی جس میں مختلف فاضل مقررین نے حضرت علیؑ کی ذاتِ بابرکات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ اس موقعہ پر آقای قاسم صافی کلچرل قونصلر نے جو خطاب فرمایا اس کا خلاصہ نذر قارئین ہے۔

حضرت علیؑ کے بارے میں کیا کہوں اور کیسے کہوں جبکہ کچھ لوگوں نے ان کو خدا کہہ دیا اور کہاں سے انکے فضائل شروع کروں جبکہ نہ قلم میں تحریر کی طاقت اور نہ زبان میں تقریر کی سکت ہے۔

حضرت علیؑ کی عظیم اور وسیع شخصیت ایک فرد کی قوّت بیان سے وسیع تر اور عظیم تر پہلودار شخصیت ہے۔ کیونکہ جب ہم ان کے فضائل کو دیکھتے ہیں وہ ایک فرد نہیں بلکہ ایک انجمن، ایک مکتب اور ایک جماعت نظر آتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کی شخصیت ایک گروہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے جبکہ ایک گروہ کو رد کر دیتی ہے اور اسی سبب سے کہا جاتا ہے کہ ان کی شخصیت میں دو قوتیں چھپی ہوئی ہیں۔ ترک واختیار۔

جی ہاں! علیؑ کی شخصیت دو طاقتی ہے اور اس کا اثر انسانوں پر مثبت اور منفی طریقوں سے ہوتا ہے جس کو جذب و دفع اور اختیار و ترک کہا جا سکتا ہے لہٰذا تاریخ کے صفحات پر ایسے بہت

Marfat.com

سے افراد ہم کو ملتے ہیں جنہوں نے علیؑ کے راستے پر چلنے کے لئے بہت سی قربانیاں دیں جبکہ ان کے بہت سے دشمن بھی ہم کو نظر آتے ہیں.

- سقراط، افلاطون، ارسطو، بوعلی اور دکارٹ جیسے فلسفی لوگوں کے افکار کو مسخر کرنیوالے اور دلوں کو گرما دینے والے لوگ ہیں.
- اجتماعی انقلاب کے رہبر اپنے پیروؤں میں ایک طرح کا تعصّب پیدا کرنے والے لوگ ہیں.
- عرفان و تصوّف کے مشائخ اپنے ماننے والوں کو کبھی کبھی اس طرح تسلیم کے مرحلہ میں لے جاتے ہیں کہ "بہ می سجادہ رنگین کن گرت پیر مغان گوید."

لیکن حضرت علی کا مکتب دراصل عقل و فکر کا مکتب ہے، مکتب انقلاب بھی ہے اور مکتب تنظیم افکار و اعمال بھی ہے مکتب حسن و زیبائی بھی ہے اور مکتب متحرک بھی.

صاحبان شخصیت دراصل وہ افراد ہیں جن میں جذب و دفع، ردّ و قبول اور ترک و اختیار کی قوّتیں بدرجۂ کمال ہوں اور یہ اندازہ ان کے مثبت و منفی انداز سے ہوتا ہے جس کا مرکز ان کی قوّت روحانی ہوتی ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کی روح کس قدر طاقتور ہے. کسی کے دوست اور دشمن یا موافقین اور مخالفین دراصل اس کی شخصیت کی عظمت کے مظہر ہوتے ہیں. علیؑ نے معیار حقیقت کو خود حقیقت قرار دیا ہے، نہ کہ افراد و اشخاص کو، نہ مقامات ابلاغ کو نہ ساٹھ سال کے بوڑھوں کو.

"پہلے خود حق کو پہچانو پھر تم اہلِ حق کو پہچان سکو گے اس لئے ضروری ہے کہ انسان حق شناس بھی ہو اور باطل شناس بھی. صرف اشخاص و افراد کو پہچاننا ضروری نہیں ہے اور اشخاص، حق و باطل کا ترازو نہیں بن سکتے بلکہ حق و باطل اشخاص اور افراد کا معیار و میزان بن سکتے ہیں."

خدا کے کلامِ مقدس کے بعد، اس قولِ علی سے زیادہ مکمّل جواب اس سوال کا ہو ہی نہیں سکتا جو کہ ایک شخص نے حضرت علی سے طلحہ و زبیر اور جنگ جمل کے متعلق کیا تھا تو حضرت علی نے درج بالا جواب دیا تھا.

اس سے یہ پتہ چلا کہ صرف اہل محبّت ہونا کافی نہیں ہے بلکہ ہم مسلک ہونا بھی ضروری ہے۔ محبّت، حق اور حقیقت کے ساتھ پیوست ہونی چاہیئے اگر محبت حقیقت کے ساتھ موجود ہو تو پھر انسان اہلِ مسلک بھی ہوتا ہے اور اہل محبت بھی۔ اہل مسلک انسان ہی اپنے میں امتیاز حق و باطل اور قوت جذب و دفع رکھ سکتا ہے۔ وہ باطل کو اپنے راستہ سے ہٹائے گا اور حق کو جذب کرے گا۔ اسی کا نام ترک و اختیار، اقرار و انکار اور امر و نہی ہے۔

مفکّر بزرگ استاد شہید مرتضیٰ مطہری، جن کی یاد بھی اس مبارک موقع پر منائی جا رہی ہے اور جن کی فلسفی، دینی، عرفانی اور اخلاقی شخصیت ہماری نگاہوں کے سامنے ہے، ان شخصیتوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے راہِ علیؑ میں اپنے کو جذب کر دیا اور حضرت علی کے مسلک پر چلنے کی وجہ سے خود ان کی شخصیت میں بھی ایک قوّتِ جاذبہ پیدا ہو گئی۔

اس جلسے کی رونق، ان کی یاد میں بہت سے جلسوں کا انعقاد اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے صاحبِ نظر لوگوں کا عشق اور ان کی تقریروں کی صدائے بازگشت جواب تک آفاق میں گونج رہی ہے، یہ سب اس امر کی دلیل ہے کہ ان کی محبوب شخصیت میں کس قدر کشش اور جذب ہے، اور پھر افکار و ابلاغ و اقدام کی کامیاب زندگی کے بعد ان کی شہادت یہ بتاتی ہے کہ ان میں کسقدر قوت مدافعت تھی۔ اور یہ میری اسوقت کی باتیں بھی درحقیقت انہی کی بہت سی کہی ہوئی باتوں کا نچوڑ ہیں جو میرے لئے حاصل مطالعہ بھی ہیں اور متاع عقل و دانش بھی۔

مطہری نے اپنی بیش قیمت اور آبرو مندانہ زندگی کو اسلام کے مقدّس اور عظیم مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ آپ اسلام شناسی، علومِ اسلامی اور قرآن فہمی میں بمثال بصیرت رکھتے تھے۔

وہ فلسفی، ادیب اور شرق و غرب کے نظریوں سے واقف تھے اور ایک بلند ہمّت محقق، متقی، پرہیزگار، سرگرمِ عمل اور اسی کے ساتھ ساتھ اہلِ استدلال بھی تھے۔ بہت سے رسالے اور کتابیں انہوں نے اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ مجموعی اعتبار سے ان کی تصانیف اسی راستہ کی رہنمائی کرتی ہیں جس مسلک سے ان کا تعلّق تھا اسی وجہ سے وہ ایک مفکّر بھی تھے،

Marfat.com

ایک پُر جوش مجاہد بھی اور عصرِ حاضر میں اسلام کی سربلندی کے داعی بھی۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے قول و قلم و قدم سے انقلاب کے راستہ میں چراغ روشن کئے جس سے اجتماعی تحرک کی نئی راہیں روشن ہوئیں۔

مطہری عصرِ حاضر میں جمہوری اسلامی ایران کے انقلابِ اسلامی کی عظیم ترین شخصیتوں میں سے تھے جنہوں نے ایک پختہ ارادے کے ساتھ بغیر کسی سستی کے اپنی قیمتی زندگی کو اسلامی حکومت کے قیام کے لئے اور مسلمانوں کو باعزّت مقام نئی دنیا میں دلوانے کے لئے صرف کیا اور آج بھی شہید مرتضیٰ مطہری کی روح ہم سے اس بات کی طالب ہے کہ ہم حق و باطل میں امتیاز کا ملکہ اپنے میں پیدا کرتے ہوئے راہِ اسلام کی حقیقت و حقّانیت اور افادیت کو دنیا پر ظاہر کریں۔

"اے آدم کے بیٹے جب تو دیکھے کہ اللہ سبحانہ تجھے پے در پے نعمتیں دے رہا ہے اور تو اس کی نافرمانی کر رہا ہے تو اس سے ڈرتے رہنا۔"

"مرض میں جب تک ہمّت ساتھ دے چلتے پھرتے رہو۔"

"بہترین زُہد، زُہد کا مخفی رکھنا ہے۔"

"نیک کام کرنے والا خود اس کام سے بہتر اور برائی کا مرتکب ہونے والا خود اس برائی سے بدتر ہے۔"

Marfat.com

اسلام

اور

فوجی قوّت

از: حجۃ الاسلام
ڈاکٹر محمّد جواد باہنر (شہید)

فوجی اور دفاعی قوت انسانی زندگی کی ایک بنیادی ضرورت ہے یہی وجہ ہے کہ انسان شروع سے ہی جنگی اور دفاعی وسائل کی طرف بھرپور توجہ دیتا رہا ہے. چنانچہ آج سے کئی ہزار سال قبل کے جو انسانی ڈھانچے دریافت ہوئے ہیں ان کے ساتھ ابتدائی جنگی ہتھیار بھی پائے گئے ہیں (معلوم ہوتا ہے کہ) انسان پہلے صرف پتھر سے استفادہ کرتا رہا بعد ازاں دھاتوں سے فوجی اور دفاعی اوزار بنانے لگا ہے. اس سے معلوم ہوا کہ انسان فوجی قوت اور جنگی صلاحیت کے بغیر زندگی نہیں گزار سکا ہے. عربی دورِ جاہلیت کے قبائلی نظام میں لڑکے کو اس وجہ سے بھی بے انتہاء اہمیّت حاصل تھی کہ کسی قبیلے میں لڑکوں کی تعداد ہی فوجی طاقت کا معیار تھی. حکومتیں فوجی طاقت کے بل بوتے پر قائم ہوتی رہی ہیں.

خود ایران کی تاریخ پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ کبھی کسی گروہ نے حکومت کی، کبھی کسی قبیلے نے حکومت پر قبضہ کیا. آج بھی صورتِ حال کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے، بڑی طاقتیں اپنے ملکوں کا بیشتر سرمایہ فوجی اور جنگی تیاری میں صرف کرتی ہیں. امریکہ اور روس کی حکومتیں باقی سب وزارتوں کے مقابلے میں وزارتِ دفاع اور اس کے جنگی وسائل پر سب سے زیادہ توجہ دیتی ہیں. ایران میں سابق حکومت (شاہ) کے

Marfat.com

دور میں ملک کا سب سے زیادہ سرمایہ فوج پر خرچ ہوتا تھا۔ انقلاب کے بعد پہلی بار تعلیم و تربیت کو اوّلیت دی گئی ہے اور سب سے زیادہ سرمایہ معاشرہ کی تربیت کے لئے مختص کیا گیا ہے۔ بہر حال آج بھی ازمنہ قدیم کی طرح انسان کو لمبے ناخنوں اور تیز دانتوں کی ضرورت ہے۔ کیونکہ جب تک انسانی فکر پر مادہ پرستی، ہوسِ زر اور اقتدار و اختیار طلبی کی حکمرانی ہے۔ اس میں مادہ پرستی اور حیوانیت کی روح کارفرما رہے گی۔ اور ظاہر ہے کہ حیوان طاقت، پنجے اور دانتوں کے ذریعہ ہی غذا حاصل کرتا ہے (اور یہ اصول بھی مسلم ہے) کہ جو حیوان درندگی کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہے وہ اوروں کے مقابلہ میں بہتر غذا حاصل کر سکتا ہے۔

اسلام اور فوجی طاقت

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام اور مسلمان بھی ایک ایسی دنیا میں زندگی گزارتے ہیں جہاں مادہ پرست انسان عملاً حیوانی زندگی کو رواج دیتے ہیں۔ پس ایسے معاشرہ میں زندگی گزارنے کا تقاضا ہے کہ مسلمان بھی اپنا دفاع کرنے کے لئے تیار رہوں۔ قرآن نے اسی اصول کو یوں بیان کیا ہے:

"وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ"

(اسی آیت کی رُو سے) فوجی قوت اور اسلحہ کی تیاری خدا اور اپنے دشمنوں کی سرکوبی کے لئے ضروری ہے لہٰذا جب تک خدا کے اور اپنے دشمنوں کا وجود ہو اس وقت تک فوجی قوّت کا وجود اور اسلحہ کی تیاری ناگزیر ہے۔

جب امام زمانہؑ قیام فرمائیں گے اس وقت بھی آغاز "قیام بالسیف" سے ہوگا۔ یہاں سیف دشمشیر اسلحہ کا علامتی نام ہے۔ لیکن کسی روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اسلحہ کی مقدار اور کیفیت کیا ہو۔ (اس کا مطلب یہ ہے کہ حسبِ تقاضائے وقت کیفیت و کمیت کا فیصلہ کیا جائے)۔

ایران کی افواج

ماضی میں ایرانی فوج کی مندرجہ ذیل خصوصیات تھیں:

۱۔ ثقافتی طور پر بے حس اور بیگانہ عقیدہ

فوجی اسلامی تہذیب و ثقافت کو اپنے ہاتھ

Marfat.com

سے کھو چکے تھے. اس کے مقابلہ میں ایک بیہودہ عقیدہ ان کے ذہن نشین کرایا گیا تھا کہ شہنشاہی نظام ناگزیر ہے. بے حس کرنے والے اس پروپیگنڈے کا عمل جتنا فوج کے اوپر کیا جاتا کسی اور ادارہ پر نہ کیا جاتا تھا کسی فوجی کو مطالعہ کرنے، کسی سے آزادانہ ملنے، حتیٰ کہ شادی کرنے کی اجازت نہ تھی. فوجی علاقوں میں مترجم قرآن اور نہج البلاغہ رکھنا ممنوع تھا. یہ صورت حال اس وقت تک جاری رکھی جاتی جب تک فوجی یہ احساس کرنے نہ لگ جاتے کہ اس کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے. خدا، شاہ، اور وطن ان کا نعرہ تھا. اس نعرے میں خدا کا نام صرف ایک تکلف تھا اور وہ ایسا خدا تھا جس کا معاشرہ سے کوئی تعلق نہ ہو. وطن کا تصور بھی شاہ کے وجود میں سمٹ چکا. جو کچھ تھا وہ شاہ تھا. اگر کلاسیکی کتابوں میں اسلام یا دین کا نام ہوتا تو اس کا تذکرہ شاہ کے نام کے بعد ہوتا. ساتھ ہی یہ التزام بھی رکھا جاتا کہ اسلام کی صرف ان چیزوں کا تذکرہ باقی رہے جو براہِ راست ان کے افکار کے مخالف نہ ہوں. اس طرح کی بحثیں بھی ہوا کرتیں کہ پہلے اسلام یا پہلے ایران؟ ان کا کہنا یہ تھا کہ پہلے شہنشاہی نظام اور ایران پھر اسلام! جبکہ ہمارا کہنا یہ ہے کہ پہلی چیز اسلام کے مقدس آئیں سے وابستگی ہے اس کے بعد ایران یا کچھ اور

۲۔ وابستگی

ایرانی فوج کی دوسری خصوصیت اس کی خارج خاص کر امریکہ سے وابستگی تھی. یہ وابستگی تکنیک کے اعتبار سے بھی تھی اور ٹیکٹس (TACTICS) کے اعتبار سے بھی فنّی اور تکنیکی اعتبار سے ہوائی جہازوں اور راکٹوں سے لے کر ٹینکوں اور گولہ بارود تک ہر چیز امریکہ سے حاصل کی جاتی تھی. جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ فاضل پرزے اور مشیر بھی امریکہ سے لائے جاتے اسی طرح جنگی حکمت عملی کے میدان میں بھی امریکہ کی طرف دیکھا جاتا تھا. چنانچہ اس قسم کی وابستگی آج تک ہمارے لئے روگ بنی ہوئی ہے.

اس میں کوئی شک نہیں کہ فوج کو زیادہ سے زیادہ قومی اور جدید ترین بنیادوں پر مسلح کرنے کی کوششیں کی جاتی تھیں. اور فوجی کام بھی بہت زیادہ کرتے تھے بلکہ حکومت کا سارا کاروبار بنیادی طور پر فوج اور ساواک پر منحصر تھا. چنانچہ انہی دو کے علاوہ وہ (شاہ) کسی کو کوئی اہمیت بھی نہ دیتا تھا. چنانچہ تعلیم و ثقافت بے مقصد تھی. استادوں کی تربیت اچھی نہ تھی اور ملک کے تمام ارکان متزلزل تھے. لیکن امریکہ اور شاہ کی کوئی پرواہ نہ تھی. ان کا مسئلہ صرف یہ تھا

Marfat.com

کہ حکومت کو بچانے کے لئے فوج زیادہ سے زیادہ طاقتور ہو. ملک کے مسائل کے سلسلہ میں کوئی سنجیدگی نہیں پائی جاتی تھی البتہ فوج اور ساواک کے سلسلہ میں کافی سنجیدگی کا مظاہرہ کیا جاتا تھا.

ایران علاقہ میں وہ ملک تھا جس پر امریکہ کو پورا بھروسہ تھا. یہاں تک کہ مشرق وسطیٰ میں وہ امریکی سی آئی اے کا سب سے طاقتور ایجنٹ تھا اور ایران امریکہ کا سب سے بڑا اڈہ.

۳- اخلاقی بیماریاں

استعماری قوتیں جب بھی قوم یا گروہ کو اپنا غلام بنانا چاہتی تو سب سے پہلے اخلاقی برائیوں کا بیج بویا جاتا ہے. جنسی مسائل اور نشہ میں مبتلا کیا جاتا ہے جس طرح کہ ہسپانیہ اور اندلس میں مسلمان فوج کے ساتھ کیا گیا اور بعد میں شکست دی گئی. شاہ کی فاسد حکومت نے یوں تو ہر جگہ فساد کا بیج بویا لیکن فوج پر سب سے زیادہ کام کیا گیا. خاص طور پر فوج کے اعلیٰ طبقوں میں فساد اور عیاشی کا ہر سامان فراہم کیا جاتا تھا. کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ فوج کو نشہ پلا کر ہی وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں. چنانچہ فوج کو شاہ کی اطاعت کے علاوہ اور کسی چیز سے واسطہ نہ تھا. چنانچہ شاہ کی حکومت کو نیست و نابود کرنے کے لئے انہی دو قوتوں پر حملے کئے گئے.

ایک گمراہ کُن نعرہ

ایک ایسی فوج کی موجودگی میں کچھ گروہوں نے ایک ایسا نعرہ وضع کیا ہے جو بظاہر بہت خوبصورت اور پرکشش ہے. وہ کہتے ہیں کہ شاہ کی طاغوتی اور فاسد فوج کو تحلیل کیا جانا چاہیئے. یاد رکھیئے یہ نعرہ بظاہر بہت پرکشش ہے لیکن درحقیقت اسلامی جمہوریہ کو شکست دینے اور اس نوخیز نظام کو بے دست و پا کرنے کی ایک سازش ہے.

ہمیں اچھی طرح یہ ذہن .. رکھنا چاہیئے کہ اس قسم کے نعرے اختلاف پیدا کرنے اور حکومت جمہوری اسلامی ایران کو کمزور کرنے کے لئے لگائے جا رہے ہیں. وہ لوگ جو عملی مراحل سے نہیں گزرے، اس فریب میں بہ آسانی آجاتے ہیں جبکہ عملاً اس ضمن میں بیشمار دشواریاں ہیں.

وہ حضرات جو انقلابی تھے اور شورائے انقلاب پر انقلابی عمل نہ کرنے کا الزام لگاتے تھے اب خود پارلیمنٹ میں آگئے ہیں. اب وہ دیکھ رہے ہیں کہ ایک آئین نامہ پر ہی اتنی طویل بحث و گفتگو ہوتی ہے کہ اگر ان کی رفتار سے چلیں تو اس میں سال کا عرصہ لگ جائے گا.

Marfat.com

وہ لوگ چاہتے تھے کہ اس پُرفریب طریقہ سے حکومت کو اتنا کمزور کر دیا جائے کہ کسی معمولی حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ کیونکہ ہم مجموعی طور پر اسلحے کے ذخائر سے استفادہ نہیں کر سکتے تھے۔ ہمارے انقلابی جوان بندوق سے پہلی دفعہ آشنا ہوئے تھے۔ ہمارا اصل کام یہ تھا کہ اس فوج کو ایک اسلامی فوج بنائیں۔ ہمیں چاہیئے کہ فوج کے بہت سے ان نوجوانوں کو جو ابھی تک شاہ کی حکومت اور اسلامی جمہوری حکومت کے فرق کو نہیں سمجھ سکے ہیں اسلامی آئیڈیالوجی سے روشناس کریں، تاکہ ان کی تہذیبی اور ثقافتی اصلاح ہو۔ وابستگی کا مسئلہ بھی انتہائی اہم اور دلچسپ ہے مثلاً اگر ہم امریکہ سے فینٹم خریدتے ہیں یا روس سے مگ طیارے خریدتے ہیں تو یہ بھی وابستگی ہے۔ برطانیہ سے ٹینک خریدیں تو یہ بھی وابستگی ہے کیونکہ ساتھ ہی مشیروں کی بھی ضرورت ہوگی۔ پس علاج کا واحد راستہ یہی ہے کہ ہم صنعتی اعتبار سے خاص کر فوجی صنعت میں خود کفیل ہو جائیں۔ خود کفالت کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اپنے گرد خط کھینچ دیں اور دنیا سے قطع تعلق کر لیں بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہوگا کہ ظالم اور مظلوم کا تعلق ختم ہو جائے۔ انسانی اور عملی تعلقات کو نہ صرف قائم رہنا چاہیئے بلکہ علوم و فنون میں انکشافات بھی ضروری ہیں۔

پس اسلامی نقطۂ نگاہ سے ایک طاقتور فوج کی ضرورت ہے البتہ وہ فوج مکتبی اور نظریاتی طور پر تربیت یافتہ بھی ہو۔ تربیت کیوں کر دی جائے اس پر سوچا جا سکتا ہے لیکن ایک طاقتور فوج کی ضرورت سے بے نیاز ہونا ممکن نہیں ہے۔

ایٹمی اسلحہ

ایٹمی اسلحہ کے پھیلاؤ کو کس طرح روکا جائے اس وقت بڑی طاقتیں پُرفریب نعرے دے رہی ہیں، ایک نعرہ یہ ہے کہ ایٹمی اسلحہ کی تیاری کو روکا جائے، جن ممالک کے پاس پہلے ہی ایٹمی اسلحہ موجود ہو تو ہوا کرے۔ لیکن مثلاً اگر ایران ایٹمی اسلحہ بنانا چاہے تو اسے روکا جائے۔ ان کا یہ طرزِ فکر قابلِ توجہ ہے کیوں کہ آج ہمیں بھی ایٹمی اسلحہ سے لیس اسی دنیا میں زندہ رہنا ہے۔ ہمیں بھی اس سلسلہ میں ضرور فکر کرنی چاہیئے۔

غیر منظم فوج کا تصوّر

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں اللہ اکبر کے نعرے کے ساتھ لوگ جمع ہوتے ہیں اور ہر شخص اپنا اسلحہ اٹھا لیتا ہے۔ رسول اللہؐ صرف کسی ایک کو حتیٰ کہ کسی نوجوان کو کمانڈر مقرر فرماتے تھے۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے، اور کوئی باقاعدہ فوج نہیں رکھنا چاہیئے۔

Marfat.com

یہ نعرہ بھی بظاہر پُرکشش ہے لیکن آج کے حالات کا اس دَور سے مقابلہ کرنا درست نہیں ہے اگر غیر منظم سے یہ مراد ہو کہ کوئی افسر نہ ہو تو یہ تجربہ چین میں ناکام ہو چکا ہے چنانچہ اس وقت وہاں فوج کے چار سو عہدے (RANK) ہیں. آخر فیصلے کس ضابطے کے تحت ہونے چاہئیں. فوج مذاق نہیں ہے. تخصّص، تجربہ، مہارت کے بغیر فوجی معاملات میں صحیح فیصلے تک پہنچنا ناممکن ہے.

عوامی فوج

رضاکارانہ بنیادوں پر فوجی تربیّت اسلامی آئیڈیالوجی کے مباحث کا حصہ ہے اور اس کا اجر و ثواب بھی ہے. باقاعدہ فوج اپنی جگہ مسلّم. لیکن ہنگامِ دفاع و جہاد اسلام کے مطابق تمام لوگوں کی رضاکارانہ طور پر آمادگی لازم ہے.

سپاہ پاسداران

یہ انقلابی ادارہ رضاکاروں اور باقاعدہ فوج کے بین بین ہے کیونکہ ہم نے محسوس کیا کہ ایک منظم اور مکتبی فوج کی ضرورت ہے اس کے لئے ہم ایسے افراد کا انتخاب کرتے ہیں جو انقلاب اور جمہوری اسلامی پر یقین رکھنے کے ضمن میں جانے پہچانے ہوں. سپاہ پاسداران وہ فوج ہے کہ اسے اب پارلیمنٹ بھی ختم نہیں کر سکتی، کیونکہ اسکا قانون اساسی میں باقاعدہ ذکر ہے اور اسکا کمانڈر اعلیٰ دفاعی کونسل کا رکن ہونے کے ناطے سے ملک کے دفاعی معاملات میں فیصلہ کی مجاز اعلیٰ ترین کمیٹی میں دخل رکھتا ہے. اسلئے اس فوج کو زیادہ سے زیادہ قوی بنانے کی ضرورت ہے اس فوج نے ماضی میں بیشمار قربانیاں دی ہیں یہ انہی کی قربانیاں ہیں کہ آج ملک کی باقاعدہ فوج ایک نئے عزم اور ولولے سے سرشار ہو گئی ہے.

"لوگوں سے اس طریقہ سے ملو کہ اگر مر جاؤ تو تم پر روئیں اور زندہ رہو تو تمہارے مشتاق ہوں."

"خوف کا نتیجہ ناکامی اور شرم کا نتیجہ محرومی ہے اور فرصت کی گھڑیاں (تیز رو) ابر کی طرح گزر جاتی ہیں. لہٰذا بھلائی کے ملے ہوئے موقعوں کو غنیمت جانو."

ہسپانیہ المیہ آئینے میں

از: علّامہ یوسف جبریل. واہ کینٹ

اگرچہ ہسپانوی مسلمانوں کی تباہی ایک مثال بن گئی ہے جو مسلمانوں کو قیامت تک رلاتی رہے گی مگر جب کبھی ہم ہسپانیہ میں مسلمانوں کے زوال اور ان کی عبرتناک تباہی پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ معلوم کرنے میں دیر نہیں لگتی کہ مسلمانوں کا یہ سانحہ فقط ہسپانیہ سے ہی مختص نہیں بلکہ روئے زمین پر بسنے والے تمام مسلمان کبھی نہ کبھی اپنی تاریخ کے کسی نہ کسی دور میں اس قسم کے حالات سے دو چار ہو چکے ہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ جہاں ہسپانیہ کے مسلمان اپنی تباہی کے نتیجے میں زیرِ زمین روپوش ہو گئے وہاں ایسے ہی سانحہ سے دو چار ہونے والے دوسرے اسلامی ممالک کے مسلمان زیر زمین جانے کی بجائے زیرِ آسمان فلاکت کا نمونہ بن کر دنیا والوں کی آنکھوں میں عبرت کے سامان پیدا کرنے کے لئے بود و باش میں مصروف رہے۔ عرب، ایران، مصر، عراق، شام، فلسطین، شمالی افریقہ کے ممالک برصغیر ہند، ملایا، انڈونیشیا غرضیکہ وہ کون سا اسلامی مُلک رُوئے زمین پر ہے جو کبھی نہ کبھی ایسے ہی ابتلائے عظیم میں مبتلا نہ ہوا ہو اور دنیا والوں کے لئے عبرت کا سامان نہ بنا ہو۔ اسی وطنِ عزیز کے مقدس خطّہ پنجاب پر بھی ایک وقت ایسا آیا کہ سکھوں جیسے ایک گمنام اور نوزائیدہ جتھے نے یکبارگی اُٹھ کر یہاں کے مثالی بہادر مسلمانوں کے گلے میں غلامی کا جوا ڈال دیا اور ان پر وہ ستم توڑے کہ آسمان بھی ان کی یاد سے کانپ اٹھتا ہے۔ پھر انگریزوں کے ہاتھوں برصغیر ہند بلکہ جمیعتہ ممالکِ اسلامیہ کے مسلمانوں کی پامالی

توکل کی بات ہے۔ لیکن مسلمانوں میں کون ایسا شخص ہے جو یہ نہیں جانتا کہ وہ کون سے اسباب و علل اور وہ کون سے عوامل تھے جنہوں نے دنیا کی تاریخ میں عظیم ترین قوم کو اس انتہائی بے دردی سے ایسے المناک حالات میں مبتلا کر دیا تھا جن کے تصوّر سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دوست تو دوست دشمن بھی اس بوالعجبی پر حیرت و استعجاب کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ میرے جدّ امجد سکھوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے اور ایک ایسے خاندان کے فرد کی حیثیت سے جو سکھوں کے بعد انگریزی دَور میں بھی ایک طویل عرصہ تک موردِ عتاب رہا ہے۔

مجھے پنجاب کی کچھ ایسی روایات کا علم ہے جو سینہ بہ سینہ مجھ تک پہنچیں جن سے ان عوامل کی نشاندہی ہوتی ہے جو پنجاب میں سکھوں کی حکومت کا باعث بنے۔ یہ عوامل کم و بیش تعداد میں سات ہیں۔ اگر مزید کاوش کی جائے تو بیسیوں ایسے عوامل سامنے آ سکتے ہیں، اور وہ عوامل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ تاریخ و تعلیمات اسلامی سے قطعی لاعلمی۔

۲۔ احساس اخوّتِ اسلامی۔ جذبۂ ملّی اور احساس زیاں ملی کا قطعی فقدان۔

۳۔ شدید حُبِّ جاہ و مال اور انتہائی خود غرضی

۴۔ باہمی جذبۂ انتقام کی بے پناہ اور غیر مستحسن حدّت۔

۵۔ بے حمیتی اور فرضی حمیت اور غرض کا انتہائی بے جا استعمال۔

۶۔ جاہلانہ فخر و غرور اور احمقانہ فخر و تعلّی۔

۷۔ سرداروں کی غدّاری، مذہبی رہنماؤں کی بے بسی اور عوامی ذہن کا دیوالیہ پن، اور سب کی اخلاقی ناداری۔

اس وقت کے چشم دید واقعات کو سنا جائے تو جو تصویر ذہن میں اس وقت کے مسلمانوں کی ابھرتی ہے وہ انتہائی افسوسناک ہے کان اس کے سننے سے پھٹتے ہیں اور قلم اس کے لکھنے سے کانپتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب کے مسلمان خونخوار بھیڑیوں، مکّار لومڑیوں اور حریص لکڑ بگڑوں کا ایک جم غفیر ہیں جو جنونی دورے کی شدت سے غضبناک ہو کر مغلوب الغیضی میں ایک دوسرے کی تکّہ بوٹی کر رہے ہیں اور لہو کے چھینٹے ہوا میں بکھیر رہے ہیں۔ گاؤں گاؤں، بستی بستی اور گلی گلی میں سازشوں اور سازشیوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ ریشہ دوانیوں اور لگائی بجھائی کا بازار گرم ہے کسی کو کسی پر اعتماد نہیں، کسی کو کسی کا اعتبار نہیں، ہر

Marfat.com

شخص اپنے اپنے داؤ کی خاطر سرگرم عمل ہے. امن و آشتی کہیں نام کو نہیں. قانون کا لفظ عنقا ہے. ہر طرف جتھہ بندیاں ہیں لوگ جتھوں کی شکل میں اپنے ہمسایہ گاؤں پر حملہ آور ہوتے ہیں اور مال مویشی لوٹ کر لے آتے ہیں. انسانی زندگی کی ذرہ بھر قیمت نہیں اور احساسِ ملّی کے فقدان کا یہ عالم تھا کہ اسمٰعیل شہید جیسے لوگ سر سے کفن باندھ کر لوگوں کو سکھوں کے عذاب سے نجات دلانے آئے اور مسلمانوں کے ہی ہاتھوں شہید ہو کر خالقِ حقیقی سے جا ملے. بے جا قومی تعصب سے اگرچہ مسلمان ہمیشہ مبرّا رہے ہیں مگر یہ وصف جب جائز حدود سے متجاوز ہو کر یہاں تک پہنچ جائے کہ اس میں اور بے حمیتی میں فرق نہ ہو سکے تو یہ علامت حیاتِ ملّی کے انقطاع کی ہے. یہ وہ عوامل ہیں جو ہسپانیہ کے مسلمانوں کے زوال و بربادی بلکہ دنیائے اسلام کے جملہ ممالک کے زوال و بربادی کا باعث ہوئے اور یہی وہ عوامل ہیں کہ جب یہ عیسائیوں میں موجود تھے اور مسلمان اُن سے مبرّا تھے تو عیسائیوں کی بربادی کا باعث بنے اور مسلمان عیسائیوں پر مسلّط ہو گئے اور یہی وہ عوامل ہیں کہ جب مسلمان ان میں ملوّث ہو گئے تو مسلمان بھی ان کے طبعی عواقب کی زد میں آ گئے. یہی وہ عیوب ہیں کہ جب مسلمان ان سے مبرّا تھے تو عقبہ بن نافع نے زمین کو عبور کر کے جوشِ جہاد میں اپنا گھوڑا بحرِ اوقیانوس میں ڈال دیا اور پکارا کہ اگر سمندر حائل نہ ہوتا تو جہاں معلوم نہیں کون بادشاہت کرتا ہے، تیرے پاک نام کی کبریائی کو وہاں ظاہر کرتا اور ان کو تیرا رستہ دکھاتا جو تیرے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں. اور یہی وہ عیوب ہیں کہ جب مسلمان ان سے مبرّا تھے تو طارق بن زیاد نے مٹھی بھر مجاہدین کے ساتھ ایک دشمن کے وسیع و عریض ملک میں اتر کر اپنے بحری جہاز یہ کہہ کر نذرِ آتش کر دیئے کہ ہر ملک ماست کہ ملکِ خدائے ماست. اور پھر یہی عیوب ہیں کہ صدیوں تک ہسپانیہ کے سیاہ و سفید کے مالک رہنے کے بعد مسلمان جب بھی ان میں ملوث ہو گئے تو اپنے ہی محکوم ہسپانی عیسائیوں کے ہاتھوں تہ تیغ ہو جانے کے بعد چند بقیۃ السیف خدا کی زمین و آسمان کو رلانے کے لئے ہسپانیہ کے ویرانوں اور قبرستانوں میں اپنے اسلاف کی قبروں پہ روتے پھرتے تھے مگر قدرت کا انتقام کہ عبرت کی ان مظلوم نشانیوں کو بھی ہسپانوی عیسائیوں نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ابدی نیند سلا دیا.

مؤرخ جب ہسپانیہ کے مسلمانوں کے زوال کے اسباب کا تجزیہ کرتا ہے تو ہمیں بتاتا ہے کہ ہسپانیہ میں مسلمانوں کے زوال کے وجوہ یا تو سلبی ہیں یا پھر ایجابی ہیں پھر ہمیں وہ تشریح کر کے بتاتا ہے کہ سلبی یہ کہ ہسپانوی مسلمانوں میں مقصدیت یا آرزو کا

فقدان تھا جہاد سے تغافل تھا۔ قبائلی عصبیت باہمی خانہ جنگی اور بربروں کی تباہ کاریاں تھیں۔ لامرکزیت تھی وحدت قومی اور آفاقی نظر کا فقدان تھا مال و دولت سے وابستگی تھی۔ غیر اسلامی ثقافتی سرگرمیاں عام تھیں۔ اضمحلالِ خودی کے پہلو بہ پہلو انتہائی خودغرضی تھی۔ عیسائی اور یہودی رعایا کی غداری بھی موجب نقصان تھی حکمران کمزور تھے اور سیاسی شعور کا فقدان تھا اور بالخصوص جب ہم دیکھتے ہیں کہ شمشیر و سنان تو مسلمانانِ ہسپانیہ کے پاس اس وقت بھی تھی جب وہ فاتح ہو کر ہسپانیہ میں داخل ہوئے اور شمشیر و سناں اس وقت بھی تھی جب وہ تباہی کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، وہی شمشیر جب عقبہ بن نافع اور طارق بن زیاد فاتح اندلس کے ہاتھوں میں تھی تو اس کی کاٹ معجزانہ تھی اور مخالفت کی تلواریں اس کے سامنے ماند پڑ گئی تھیں مگر وہی تلوار جب بعد میں آنے والے بدنصیب ہسپانوی مسلمانوں کے ہاتھوں میں آئی تو اس کی دھار کند ہو چکی تھی اور مخالف تلواریں برقِ خاطف کی طرح مسلمانوں کو چاٹ رہی تھیں۔ اس عاجز فقیر کو جو کچھ اس امر میں معلوم ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

خدا کا خوف اُٹھ جاتا ہے جب ملّت کے سینے سے
تو گر جاتی ہے ملّت منہ کے بل ہستی کے زینے سے

لیکن آیئے وہ تو ماضی کی باتیں ہیں اور ماضی ہمیں سوائے عبرت کے کوئی دوسرا سبق نہیں دے سکتا اور اگر ہم ماضی کے سبق سے عبرت حاصل نہیں کر سکتے تو یہ ایک بڑا المیہ ہے آیئے اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالیئے اور اپنے گریبان میں جھانکیئے اور بتایئے کہ کیا ہم اس دَور کے مسلمان اپنے دگرگوں حالات سے بے خبر ہیں ہمارے سامنے کیا وہ تمام خطرات اپنی حقیقی صورت میں موجود نہیں جن سے ہم دوچار ہو کر اپنی انفرادی اور ملّی تباہی کو آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھ رہے ہیں اور کیا ہم کو ان اسباب و علل کا کما حقّہ، علم نہیں جن کے باعث ہم خدا کی اس زمین پر اس حالت کو پہنچ رہے ہیں کیا ہم بے خبر ہیں کہ ہمارے دشمن ہمارے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں اور ہماری تباہی کے دلدادہ دشمن ہم پر کس طرح بیتابی کے ساتھ دندانِ آز تیز کر رہے ہیں کیا ہم نہیں جانتے کہ ہمارا باہمی نفاق اور ہماری ناچاقی ہمارے لئے انتہائی خطرناک صورتِ حال کا پیش خیمہ ہو رہی ہے اور کیا ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ ہماری موجودہ ناچاقی اور خانہ جنگی کا سب سے بڑا سبب ہماری معاشی ناہمواری اور صحیح اسلامی عدل کے عملی جذبے کا فقدان ہے اور کیا ہم پر واضح نہیں کہ ہم لالچ کے پھندوں میں گرفتار ہو کر دیدہ و دانستہ معاشی انصاف اور اسلامی عدل سے

Marfat.com

گریزاں ہوکر شترِ مُرغی کا مظاہرہ کرنے میں کامیاب ہو رہے ہیں.

ہمیں سب کچھ معلوم ہے. ہم سے زیادہ باخبر اس معاملے میں کوئی دوسرا نہیں ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے موجودہ حالات ہسپانوی مسلمانوں سے کہیں زیادہ سنگین اور کہیں زیادہ پُرخطر ہیں. کیا ہمیں یہ نہیں معلوم کہ ہسپانیہ کے مسلمان اگرچہ کلیتہً صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہوگئے مگر ان کی اس تباہی کے باوجود اسلام کا وجود دنیا میں قائم رہا اور مسلمان اس کرۂ ارض پر بستے رہے مسلمانوں کے دشمنوں کو کبھی بھی بیت المقدس کو نذرِ آتش کرکے عیاذاً باللہ کعبۃ اللہ اور مدینۂ منوّرہ کو تباہ کرکے ان دو نورانی بستیوں پر قبضہ کے خواب دیکھنے کی جرأت نہ ہوئی لیکن آج حالات یہ کہتے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے اپنی حماقتوں اور باہمی ناچاقیوں سے اپنے ممالک کے وجود کو خدانخواستہ خطرے میں ڈال دیا تو کوئی وجہ نہیں کہ تمام دنیائے اسلام اعدائے اسلام کے لئے ایک تر نوالہ نہ بن جائے. آیئے غور کیجئے ایک مسلمان کا دل اس متوقع المیے کے تصور سے ہی کانپ اٹھتا ہے. اور یہ خدشات میرے ذہن کی پیداوار نہیں بلکہ ایک کھلی ہوئی حقیقت کی طرح ہر مسلمان کی آنکھوں کے سامنے ہیں تو آیئے ایک مسلمان کی حیثیت سے سوچیے اور غور کیجئے کہ کیوں ہم ان پیش آمدہ خطرات کے سدِ باب سے غافل ہوکر اپنی اپنی اغراض کو بغل میں لئے پھرتے ہیں کیوں ہم نفاق کے مریض اور انتشار کا شکار ہیں کیوں ہم ان اسباب کا کما حقہ سدباب نہیں کر رہے ہیں جو ہماری تباہی کا پیش خیمہ ہو رہے ہیں. ہوش کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ آنے والا مؤرخ جب تاریخ لکھنے بیٹھے تو یہ لکھے کہ اس دنیا میں ایک قوم بستی تھی جن کو مسلمان کہا جاتا تھا جو اپنی خودغرضیوں اور باہمی ناچاقیوں کے سبب قدرت کے انتقام کا نشانہ بن کر دنیائے ہستی سے محو ہوگئی.

اب بھنور میں یہ سفینہ ہے ذرا ہوش کریں
کچھ کریں بہرِ خدا خوفِ خدا ہوش کریں
ڈوب سکتی ہے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں یہ ناؤ
ملّت اپنی ہے گرفتارِ بلا ہوش کریں
گلشنِ دہر میں ان ظلم کے گلچینوں سے
سسکیاں بھر کے یہ کہتی ہے صبا ہوش کریں
لگ گئی چوٹ جو نقارۂ محشر پہ سُنیں
جن کے پردوں میں ہے غفلت کی ہوا ہوش کریں
ہم سے اب حسنِ تغافل کی توقع جبریل
وہ جو باطن میں ہیں مدہوش وہ کیا ہوش کریں

"جسے اس کے اعمال پیچھے ہٹا دیں اسے حسب نسب آگے نہیں بڑھا سکتا."

Marfat.com

"ہم سب کی ایک ہی صدا اللہ اکبر ہونی چاہیئے"

بیگم رجائی

۱۷-اپریل بروز ہفتہ خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، راولپنڈی میں میلاد باہرکت اختر تابناک حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے موقع پر جس کو ایران میں "یوم خواتین" کا نام دیا گیا ہے۔

ایران کے صدر شہید محمدؐ علی رجائی کی بیگم نے خواتین کے اجتماع سے خطاب کیا۔

ایران کے کلچرل کونسلر آقای قاسم صافی کی طرف سے ان کی بیگم نے بیگم رجائی کا تعارف خواتین سے کروایا اور کہا یہ ان عورتوں میں سے نہیں ہیں جو کہ غیروں کی اندھا دھند پیروی کریں اور یا دینداری کے لئے گوشہ نشین ہو جائیں بلکہ ان شیر دل خواتین میں سے ہیں جنہوں نے مردوں کے شانہ بشانہ جہاد فی سبیل اللہ میں حصّہ لیا۔ اور آج ایک اہم ترین مقام پر فائز ہیں۔

اس کے بعد بیگم رجائی نے خواتین سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ جس نے مجھے اتنی دُور سے آپ سے خطاب کرنے کی سعادت نصیب کی۔ انہوں نے کہا آج ایران کی عورت زیادہ تر سیاسی و اسلامی مسائل کو سمجھتی ہے۔ آج کی عورت کا معیار کل کی عورت سے بہت مختلف ہے۔

انہوں نے کہا میں اپنی پاکستانی بہنوں کے جذبۂ اسلام سے بہت متاثر ہوئی ہوں ہمیں چاہیئے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھیں اور آپس میں تفرقہ پیدا نہ کریں اور ہم دنیا میں جہاں کہیں بھی ہوں ہماری ایک ہی صدا ہونی چاہیئے اور وہ "اللہ اکبر" ہونی چاہیئے۔ اور ہمیں حقیقت میں خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرنا چاہیئے اور جہالت کے راستے سے آگاہی کے راستے پر آئیں۔ جب ہم خدا سے آگاہی حاصل کر لیں گے اور انسان کی قدر و قیمت کو پہچان لیں گے تو ہمارے اندر انقلاب برپا ہوگا اور اس وقت ہم اس قابل ہونگے

Marfat.com

"یوم خواتین" کے سلسلے میں خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، راولپنڈی میں منعقد ہونے والے خواتین کے اجتماع سے شہید محمدؒ علی رجائی کی بیگم خطاب کر رہی ہیں ——

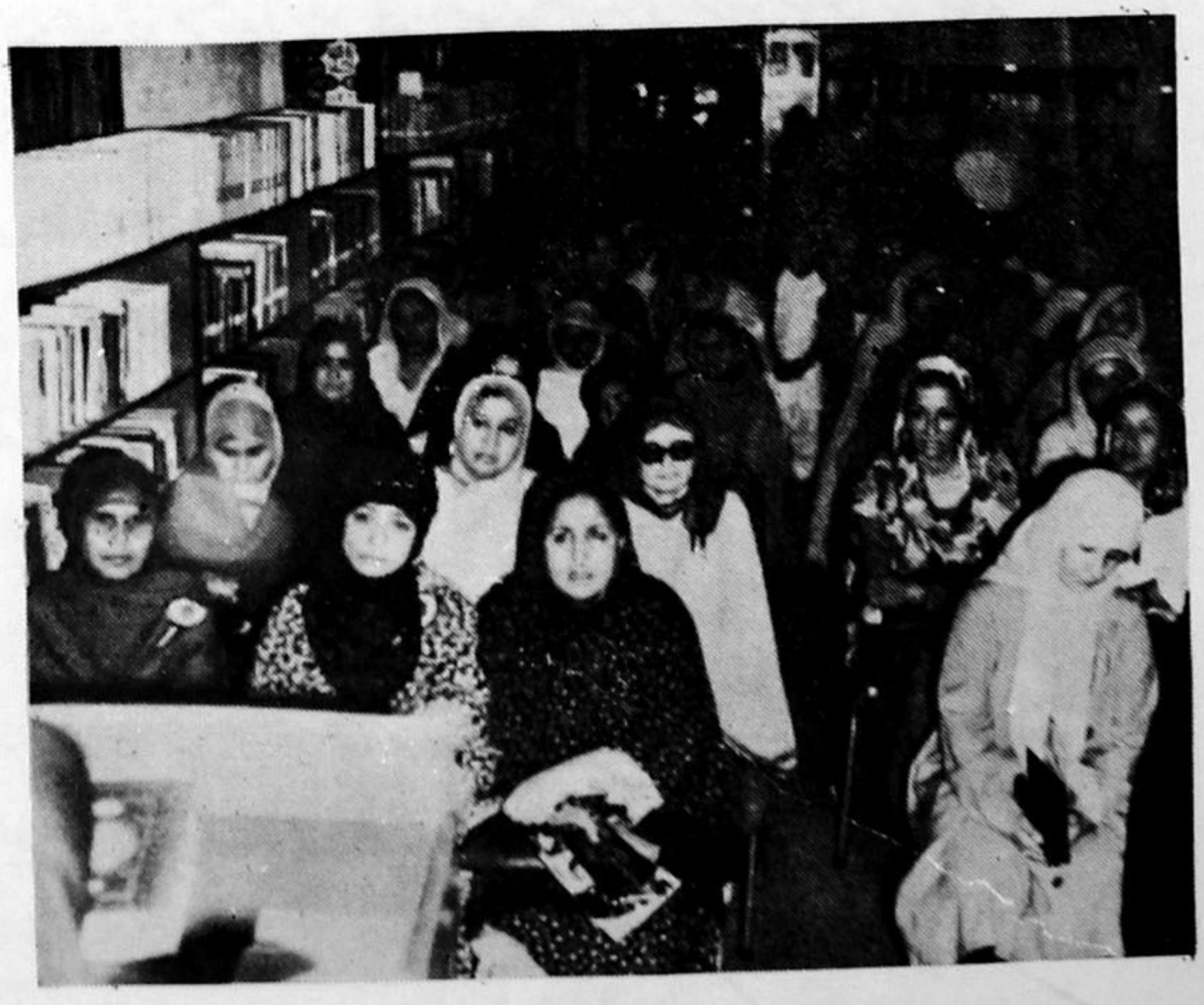

شہید محمد علی رجائی کی خانم کے خیالات سے مستفید ہونے والی پاکستانی خواتین ——

Marfat.com

کہ اسلامی قوانین پر عمل پیرا ہو سکیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب کی صورت میں ہمارے پاس بھیجے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ مجھے افسوس ہے کہ میں اپنی پاکستانی بہنوں کی زبان نہیں سمجھتی اور نہ ہی وہ میری زبان سمجھ سکتی ہیں تاکہ جو کچھ میں ان کے لئے لائی ہوں ان تک پہنچا سکتی۔ باتیں تو بہت سی ہیں لیکن ان سب باتوں کے لئے وقت درکار ہے میں آپ سب کو ایران آنے کی دعوت دیتی ہوں تاکہ آپ اپنی آنکھوں سے ہمارے انقلاب کو دیکھ سکیں کیونکہ کسی چیز کو سننے اور دیکھنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ چائے کے بعد خواتین کو ایران کے اسلامی انقلاب کے متعلق فیلم بھی دکھائی گئی۔

"حکمت کی بات جہاں کہیں بھی ہو اسے حاصل کرو کیونکہ حکمت منافق کے سینہ میں بھی ہوتی ہے لیکن جب تک اس کی زبان سے نکل کر مؤمن کے سینہ میں پہنچ کر دوسری حکمتوں کے ساتھ سہل نہیں جاتی تڑپتی رہتی ہے۔"

★

"حکمت مؤمن ہی کی گم شدہ چیز ہے اسے حاصل کرو اگرچہ منافق سے لینا پڑے۔"

★

"مؤمن ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں ڈسا جاتا۔"

★

"مؤمن (غصّہ میں کسی پر) نہ کسی پر ٹوٹ پڑتا ہے نہ بدکلامی کرتا ہے۔ نہ عیب جُو ہوتا ہے نہ غیبت گو۔"

★

"مؤمن کی کم آمیزی تکبر اور اس کا قرب دھوکے پر مبنی نہیں ہوتے۔ اور وہ لایعنی باتوں میں نہیں الجھتا۔"

Marfat.com

جناب سیّد
دلدار علی
المعروف بہ
غفرانمآب اعلی اللہ مقامہ

ڈاکٹر سبط حسن رضوی

خداوند عالم کا اپنے بندوں پر یہ لطف و کرم ہے کہ وہ ان کو اشرف المخلوقات کی صف میں پیدا کر کے بغیر رہنما کے نہیں چھوڑتا بلکہ ان کی ہدایت کا بھی سامان کرتا ہے. حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت خاتمؐ تک انبیاء کا سلسلہ جاری رہا جن کا اصل مقصد لوگوں کو ہدایت دینا اور تربیت کرنا تھا اور اس کے بعد ائمہ، اولیاء اور علماء نے اس مقصد کو آگے بڑھایا.

حدیث[1] میں وارد ہوا ہے: "پل صراط پر جب عالم و عابد ایک ساتھ ہو جائیں گے تو عابد سے کہا جائے گا کہ داخلِ جنت ہو اور اپنی عبادت کا پھل حاصل کر اور عالم سے حکم خالق ہوگا تم اسی جگہ ٹھہرو اور جس کی چاہو شفاعت کرو جس کی سفارش کرو گے وہ بخش دیا جائے گا. عالم کا قیام انبیاء کی جگہ پر ہوگا."

دوسری حدیث[2] میں آیا ہے: میری امّت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں." اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ ہر جہت میں انبیاء کی طرح ہیں بلکہ جس طرح کسی خوبصورت بچے کو چاند سے تشبیہ دی جاتی ہے تو یہ ایک مثال ہوتی ہے نہ یہ کہ وہ بچہ ہر جہت میں چاند کے مثل ہے.

سر سیّد احمد خان[3] نے اپنے ایک مقالے میں ذکر کیا ہے کہ ہر زمانے میں ایک مجتہد جامع الشرائط کی ضرورت رہبری کے لئے ہوتی ہے اور مذہب امامیہ کا یہ نہایت صحیح اور سچا مسئلہ ہے. برصغیر میں اولیاء کے علاوہ علماء نے بھی بڑی خدمات تبلیغِ اسلام کے سلسلے

Marfat.com

میں انجام دی ہیں ان میں سے یہاں اس وقت سید دلدار علی ابن سید محمد معین[4] کا ذکر مقصود ہے جو بعد میں غفرانمآب کے نام سے معروف ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب ۲۲ واسطوں سے امام علی نقیؑ کی اولاد تک پہنچتا[5] ہے۔ مورث اعلیٰ سید نجم الدین سبزوار سے سالار مسعود غازی کے ساتھ سردار لشکر ہو کر بھارت کی طرف آئے اور اپنی فتوحات سے ظلمت کدہ ہند میں جا بجا توحید کے چراغ روشن کئے۔ قلعہ ودیانگر کو فتح کیا اور نام "جائے عیش" قرار دیا جو بعد میں کثرت استعمال سے جائس ہو گیا۔ پھر اسی نسل کے چشم و چراغ سید ذکریا نے ٹپاک پور پر قبضہ کیا اور اپنے دادا کے نام پر نصیر آباد نام رکھا۔

سید دلدار علی کی ولادت ۱۱۶۶ھ میں لکھنؤ سے ستر میل دور نصیر آباد مضافات الہ آباد میں ہوئی جو بعد کو رائے بریلی کا ضلع کہلوایا۔ ابتدائی تعلیم وہیں ہوئی پھر ہاتف غیبی کی ندا سے متاثر ہو کر آپ لکھنؤ کی طرف تحصیل علم و کمال کے لئے چل دیئے۔ وہاں عہد آصفی میں نواب سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا خان نے ہمت بڑھائی اور حکومت اودھ کے تعاون سے آپ نے عراق و حجاز کا ارادہ کیا۔ فقہ و اصول کی اعلیٰ تعلیم شروع ہوئی۔ آپ نے مشہد مقدس کے علماء سے بھی کسب فیض کیا اور کسب کمال کے بعد وطن واپس ہوئے اور نواب آصف الدولہ کی خواہش اور سرفراز الدولہ کے اصرار سے آپ نے

پھر مستقل لکھنؤ میں ہی قیام فرمایا۔ یہاں آپ نے صحیح اسلام کی تبلیغ شروع کی اور رسوم قبیحہ کا سدباب کیا۔ شیعہ سنی اتحاد پر آپ نے بہت زور دیا اور علمائے اہل سنت کے بہت سے باہمی جھگڑوں کو ثالث بن کر طے کیا۔ آپ کی ساری کامیابی اور مذہب حق کی ترویج کا راز آپ کی وہ خوش اخلاقی تھی جو لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی تھی۔

غلام علی[6] لکھتے ہیں: "بانی جمعہ و جماعت در اثنا عشریان در لکھنؤ او بودہ است۔ در ہیچ شہری از شہرہای ہندوستان نماز جمعہ و جماعت در مذہب امامیہ رائج نبود بلکہ کسی را گمان این ہم نبود کہ در ایران و بلاد عرب نماز جماعت در اثنا عشریان گذاردہ می شود۔"

آپ لکھنؤ میں فقہ جعفریہ کے مجتہد اول[7] تھے اور آپ نے نماز جمعہ و جماعت کو یہاں شروع کی جس میں شاہزادگان دہلی بھی شرکت[8] کرتے تھے آپ کا خطبۂ جمعہ ایسا متاثر کرنے والا ہوتا تھا کہ خود ایک تقریر سے متاثر ہو کر نواب آصف الدولہ نے توبہ کی۔[9] شاہ حسین مرزا صفوی طوسی اپنے طویل منظومہ میں آپ کو قدیم ہندوستان کا پہلا امام جمعہ و جماعت قرار دیتے ہیں[10] فرماتے ہیں:

میر دلدار علی صفوہ اطیاب کرام
رکن ایمان بخدا بود عماد اسلام
عالم باعمل و مجتہد قدس نژاد
ہادی مذہب حق نائب معصوم امام
ہازم زمرۂ اتباع صنم ہای قریش
چو پیمبر بصوارم چو عضنفر بحسام
مجتہد پیش ازو کس نشدہ بود بہند
جمعہ و وعظ و جماعات باو یافت قوام
لکھنؤ مثل صفاہان زفیوضش گردید
نہج اثنا عشری یافتہ زو رونق تام

وہ زمانہ نواب آصف الدولہ کا علم وادب کی سرپرستی کے لئے مشہور تھا اور غیر شیعہ مفکر اور ارباب ادب نے عہدِ آصفی کو حاتم ثانی کا زمانہ لکھا ہے:

"نواب تعصب مذہبی سے پاک تھا اور دربار میں ہر مذہب وملت کے لوگ ایک نظر سے دیکھے جاتے تھے، علم کی قدردانی ایسی تھی کہ غفران مآب مولوی دلدار علی کو انہوں نے مالا مال کر دیا اور مولوی فضل حق خاں صفی پوری کو عہدۂ آب کاری عنائت کیا۔"[11]

آپ نے تبلیغ اسلام کی خاطر ایک مسجد اور امام باڑے کی بنیاد رکھی جو اب بھی لکھنؤ کے قدیم عزا خانوں میں شمار ہوتا ہے، اور امام باڑہ غفرانمآب کے نام سے مشہور ہے. درس کی ابتدا بھی آپ نے یہیں سے فرمائی اور ذاکری کو فروغ دیا. فاضل جلیل میر اکبر علی کو موقع دیا کہ وہ روضہ خوانی کریں.

ضیاء الابصار آپ کے عہد کی وہ پہلی اردو کتاب ہے جس میں واقعۂ کربلا کی معتبر روایات ملتی ہیں. اس کتاب کا ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں بھی ہے. آپ نے آصف الدولہ مرحوم کا آخری دورِ حیات اور نواب سعادت علی خان کی پوری زندگی دیکھی. آپ کا حلقۂ تلامذہ بہت وسیع تھا اور پروردگار عالم نے علم کی بہتات کے ساتھ کثرت نسل کا شرف بھی عطا کیا. اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے سید دلدار علی کو پانچ فرزند خدا نے عنائت کئے اور سب کے سب عالم ہوئے.

آپ کے معاصرین میں مرزا محمد حسن قتیل جن کی وفات غفرانمآب کی وفات سے ۳ برس ۱۲۳۳ھ میں ہوئی. فارسی کے بڑے شاعر تھے، اور مولوی سدن (م. ۱۲۲۹ھ) نواب کے استاد اور اتالیق تھے، ان سے بھی علمی مباحث ہوتے تھے. دربار کے اکثر مناظروں میں اسلام کی حقانیت آپ ہی نے ثابت فرمائی. مولوی سدن کے ایک اور بھائی مولوی مدن تھے جن کا اصل نام مولوی مجید الدین تھا. امیر مینائی کا مشہور شعر انہیں پر ہے.

Marfat.com

بڑھائی شیخ نے ڈاڑھی اگرچہ سن کی سی
مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

آپ کے زمانے میں کچھ لوگوں کو قرآن پاک کے مکرّرات پر شبہ ہوا کہ یہ اتنی تکرار کیوں ہے آپ نے جواب دیا کہ پیکر بشری میں آنکھوں اور کانوں اور ہاتھ پیر کا مکرر ہونا، پھیپھڑے اور گردوں کا مکرر ہونا، انگلیوں کا پانچ پانچ ہونا اور بالوں کا بے شمار ہونا اگر حسن ہے تو سورۂ رحمٰن میں فبای آلای ربکما تکذبٰن کا بار بار آنا اور مرسلات میں ویل یومئذٍ للمکذبین کا کئی دفعہ ہونا صحیح اور برمحل ہے۔ یہ جواب اس مجمع کے روبرو تھا جو استعداد علمی سے دور تھا اور مشاہدات ہی کے لئے تشفی بخش تھے۔

سید دلدار علی المعروف بہ غفرانمآب کے آثارِ باقیہ میں تالیفات، اولاد اور تلامذہ کے علاوہ چند دوسری یادگاریں بھی ہیں۔ مثلاً آپ نے سرزمین لکھنؤ پر سب سے پہلے کتاب خانہ قائم کیا جس کے بعد دیگر اہل علم لائبریریاں قائم کرتے رہے۔ آپ کے کتابخانے میں ایک پارہ قرآن پاک بخط کوفی تھا جو امام ہشتم حضرت علی بن موسیٰ رضا کی طرف منسوب تھا اور ایک نسخہ صحیفۂ کاملہ کا بخط شہید اول بھی موجود تھا۔ علاوہ کتابخانے کے مساجد اور امام باڑے عراق میں نہر آصفی اور کربلا میں روضہ حضرت سیّد الشہدا کی مزید تعمیر یہ سب آپ ہی کی کوششوں سے عمل میں آیا۔ آپ کے شاگردوں کی فہرست طویل ہے چند کے اسماءِ گرامی یہ ہیں:

۱۔ مولانا مفتی سیّد محمد قلی نیشاپوری کنتوری مفتی میرٹھ مدفون در امام باڑہ غفرانمآب۔ ان کی قطعۂ تاریخ مفتی میر عباس نے لکھی۔

۲۔ علامہ سید احمد علی محمد آبادی پدر مولوی علی میاں کامل۔

۳۔ سبحان علی خان مناظر۔

۴۔ مرزا محمّد خلیل۔

۵۔ سیّد محمد باقر واعظ۔

۶۔ مولوی سید یاد علی نقوی نصیر آبادی صاحبِ تفسیر قرآن در زبان فارسی۔ یہ برصغیر میں مذہب شیعہ کی غالباً پہلی تفسیر ہے۔

۷۔ سید مرتضیٰ صاحب اسرار الصلوٰۃ۔

۸۔ حکیم مرزا علی شریف طبیب حاذق۔

۹۔ مرزا فخرالدین احمد خان معروف بہ مرزا جعفر ماہر علم نجوم۔

۱۰۔ مولانا سید حمایت حسین عرف میر علی بخش کنتوری۔

غفرانمآب کا انتقال علمی اور دینی خدمات

انجام دینے کے بعد ۱۹۔ رجب المرجب ۱۲۳۵ھ (مطابق ۱۰۔ جنوری ۱۸۲۰ء) لکھنؤ میں ہوا اور اپنے ہی عزاخانے میں آپ دفن کئے گئے۔ ۱۳۳۵ھ میں تمام ہندوستان نے غفرانمآب کے روز وفات پر مجالس ترحیم منعقد کیں۔ اور اس وقت علامہ سید غلام حسنین کنتوری نے اخبار اثنا عشری دہلی کے صفحات میں اپنے تاثرات سے اس یادگاری تحریک کو کامیاب بنایا۔

غفرانمآب کی اولاد میں اجتہاد آج بھی قائم ہے اور ان کی اولاد میں بہت سے علماء اور محققین گزرے ہیں جن کا تفصیلی ذکر بعد کے شماروں میں انشاء اللہ تعالیٰ کیا جائے گا۔ آج بھی ہندو پاکستان اور عرب وعراق وعجم میں ان کی اولاد اپنے کمالات کا جوہر دکھا رہی ہے اور مذہب اسلام کی تبلیغ میں سرگرم عمل ہے۔

★

ماخذ

۱۔ تفسیر روح البیان۔ جلد اوّل، صفحہ ۴۵۵۔ طبع مصر۔

۲۔ ایضاً: ص ۲۴۸۔

۳۔ رسالہ تہذیب الاخلاق۔ ص ۶۹۔ شمارہ ۱۰، محرم ۱۲۸۹ھ

۴۔ سوانح حیات حضرت غفرانمآب۔ مولانا سید آغا مہدی لکھنوی۔ ص ۱۴۔ تیسرا ایڈیشن۔ طبع کراچی۔

۵۔ ایضاً: ص ۱۵۔

۶۔ تاریخ عماد السعادت ص ۱۳۷، طبع نولکشور ۱۸۶۴ء

۷۔ گذشتہ لکھنؤ۔ عبد الحلیم شرر۔

۸۔ تاریخ اودھ، نجم الغنی۔ جلد سوم۔ ص ۱۳۲۔

۹۔ تاریخ العلماء۔

۱۰۔ تذکرۃ المحققین (فارسی) طبع میرٹھ ۱۹۳۱ء

۱۱۔ روح ادب، مولوی محمد ناظم وگھانسی ام، حصہ سوم۔ ص ۲۰۱۔

"وہ گناہ جس کا تمہیں رنج ہو اللہ کے نزدیک اس نیکی سے کہیں اچھا ہے جو تمہیں خود پسند بنا دے۔"

"انسان کی جتنی ہمت ہو اتنی ہی اس کی قدر وقیمت ہے اور جتنی مروت اور جوانمردی ہوگی اتنی ہی راست گوئی ہوگی اور جتنی حمیت وخودداری ہوگی اتنی ہی شجاعت ہوگی اور جتنی غیرت ہوگی اتنی ہی پاکدامنی ہوگی۔"

Marfat.com

القُدس کی پُکار

۱۶ جولائی بروز جمعہ روز قدس کی مناسبت سے ایران کے ثقافتی نمائندے جناب قاسم صافی کی دعوت پر شام اور جمہوریہ اسلامیہ ایران کے سفیروں نے خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران راولپنڈی میں ایک پُروقار تقریب میں شرکت کی۔ اس محفل کی ابتدا تلاوتِ آیاتِ قرآن سے ہوئی اسکے بعد ایڈوکیٹ محمد ایوب بخاری نے روز قدس اور فلسطین کے بے گھر لوگوں کے چھن جانے والے حقوق کے بارے میں بات کی اور اس خطّہ کے مسلمانوں اور اسلامی ممالک کو فلسطین کی مدد کے لئے دعوت دی اور کہا کہ یہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ آج فلسطین کے لوگوں کے لئے اپنے اندر احساسِ ذمہ داری پیدا کرے اور روز قدس کو استعماری طاقتوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے حقوق کے چھن جانے کا "عالمی دن" قرار دیا جائے۔

اسکے بعد آقای ابوشریف سفیر جمہوری اسلامی ایران نے اپنی تقریر میں فرمایا: اگر ہم اہلِ ایمان ہوں تو کفار کیسے جرأت کر کے ہمارے قبلۂ اوّل پر قابض ہو بیٹھیں، ہم اہلِ اسلام تو ہیں لیکن اہلِ ایمان نہیں۔ القدس اور فلسطین کا مسئلہ سب مسلمانوں کا مسئلہ ہے اور یہ مسئلہ سوائے جہاد کے حل نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے سربراہوں کی منافقت اور مفاد پرستی نے مسلمانوں کو اسرائیل اور امریکہ کے چنگل میں پھنسا رکھا ہے اسرائیلی بمبار طیارے عربوں کا تیل امریکہ سے لے کر فلسطینیوں پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ عرب امریکہ کو تیل بیچنا بند کر دیتے ایسا کرنا ممکن تھا مگر ان کی منافقت اور مفاد پرستی نے ایسا نہ ہونے دیا مسلمانوں کو متحد ہو کر اسرائیل اور امریکہ کے خلاف صف آرا ہونا چاہیئے۔ آپ نے مزید کہا کہ فلسطینیوں کا خون جس ارزانی سے بہایا جا رہا ہے وہ کتنی دلدوز اور شرمناک بات ہے۔

اسکے بعد ایران کے ثقافتی نمایندے جناب قاسم صافی نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا، ان کی تقریر کا خلاصہ نذر قارئین ہے:

Marfat.com

میں تمام معزز حاضرین اور پاکستان کے شریف مسلمانوں کا عام طور پر اسلام آباد و راولپنڈی کے رہنے والوں کا خاص طور پر بہت شکریہ ادا کرتا ہوں جو اس جلسے میں تشریف لائے ہیں تاکہ تل ابیب کی ظالم اور غاصب حکومت کے خلاف اپنے غم اور غصّہ کا اظہار کر سکیں اور ساتھ ہی ساتھ میں ان تمام محترم اور صاحبِ مقام پاکستانی شخصیتوں کا اور مختلف اسلامی ممالک کے سفیروں کا بھی شکر گزار ہوں اور میرا تشکر زیادہ تر ان صاحبانِ فکر و قلم اخبار کے خبر نگاروں کے لئے اور اطلاعات و ابلاغ عامہ کے ان حسّاس اداروں کے نمائندوں کے لئے بھی ہے جو اپنے قلم کی جنبش سے آج کی دنیا کی حقیقتوں کو عادلانہ طور پر نشر کر سکتے ہیں تاکہ صحیح معنوں میں اہلِ فلسطین اور تمام دنیا کے مسلمانوں کے ساتھ یک جہتی کا اظہار ہو سکے جو آجکل اسلام دشمن طاقتوں کے نرغے میں محصور ہیں (ن والقلم وما یسطرون).

یا ایہا المسلمون، اتّحدوا اتحدوا. ہاں اے برادرانِ اسلامی آج یوم القدس ہے ایک تاریخی موقع اپنے عزم مصمم کو مضبوط تر کرنے کا ہے. دنیا بھر میں ستائے ہوئے لوگوں کے منظم ہونے کا دن وہ لوگ جن کو دنیا کی استعماری طاقتوں نے خاص طور پر بڑی طاقتوں نے اپنے مفادات کے پیشِ نظر عمداً خانماں برباد بنا دیا ہے اور ان ظالموں نے اس سازش کے لئے غاصب اسرائیل کے ہاتھ مضبوط کئے ہیں جس نے ایک بار تو اپنے کو اپنے وطنِ عزیز فلسطین سے بے گھر کیا اور دوسری مرتبہ اب ان کے دوسرے عارضی وطن لبنان میں بھی ان کے لئے زمین و آسمان تنگ کئے جا رہے ہیں اور لبنان میں چُن چُن کر مسلمانوں کا قتلِ عام نہایت بیدردی سے کیا جا رہا ہے.

تمام نیک اندیش اور پاک سرشت لوگ بیت المقدس کی نجات اور مظلوم مہاجرین کو ان کی اپنی سرزمین پر واپس بھیجنے کے لئے کوشاں ہیں. یہ ایک بہت بڑا گناہ ہے کہ فلسطین کے بہادر مجاہدین اسلام اپنی بقا کے لئے اور عالمِ اسلام کے استحکام کے لئے داد و فریاد کی صدائیں بلند کر رہے ہیں اور مسلمان ملکوں سے مدد طلب کر رہے ہیں اور ان کے یتیموں اور بیواؤں اور محصور بیکس و بے بس بچوں اور عورتوں کی آوازیں آ رہی ہیں جو مٹھی بھر اسرائیلی بدمعاشوں، لٹیروں اور مسلمانوں کی سرزمینوں کو ہڑپ کرنے والوں کے ہاتھوں تباہ و برباد و بے ناموس ہو رہے ہیں اور ہم تماشائیوں

Marfat.com

کی طرح اندھے اور بہرے اور گونگے بنے ہوئے ہیں۔ (صمٌ بکمٌ عمیٌ فہم لایعقلون)۔

بیت المقدس کا مسئلہ تمام مسلمانوں کے مقدر کے مستقبل کا مسئلہ ہے اور اگر آج مسلمان اسرائیل کی ان غاصبانہ اور جارحانہ حرکتوں پر چُپ رہے تو جلد ہی ہمارے دیگر مقدّس ترین مذہبی مقامات اور دینی مراکز یعنی کعبہ محترم، مکّہ معظمہ اور مدینۂ رسولؐ کے بھی چھن جانے کی خبر ہم سُن لیں گے۔ خدا کی قسم یہودیت کے خلاف صرف نعرے لگانے سے کوئی کام نہیں بنے گا۔ طرح طرح کی شرطوں پر صلح کرنا ان ظالموں سے بے معنی اور بے نتیجہ ہے۔ بیت المقدس پر صہیونی قبضہ تاریخ کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا ہے اور دنیا کے جسم پر سرطان کا ناسور۔ (فاعتبروا یااولی الابصار)۔

صہیونی مسئلہ ایک قومی یا علاقائی مسئلہ نہیں ہے اور نہ کبھی یہ ہوگا اور ہمیشہ جب تک کہ ان غاصبوں کا قبضہ ہے، یہ مسئلہ عالمی بنا رہے گا اور تمام دنیا کے امن و امان کو تہ و بالا کرتا رہے گا کیونکہ ان ظالموں کے کرتا دھرتا لوگوں نے تمام دنیا کو ہڑپ کر جانے کا ناپاک منصوبہ بنایا ہوا ہے، تاکہ دنیا کے تمام کمزور اور پامال شدہ انسانوں سے ناجائز فائدے اٹھائے جائیں اور ان کو اپنی خودغرضیوں کے لئے استعمال کیا جائے اور جب تک ان غاصبوں کا یہ مقصد پورا نہیں ہوگا یہ چین سے نہ بیٹھیں گے اور اس کے حل کا صرف ایک ہی راستہ ہے اس کام کے لئے کہ بشریت نجات پائے اور یہ اپنے ناپاک مقصد تک نہ پہنچیں صرف ایک اور ایک ہی حل ہے اور وہ یہ ہے کہ اس علاقے کی حکومتیں اسرائیل کے ناجائز تجاوز اور توسیع پسندی کو مُردہ کی خاموشی کی طرح برداشت نہ کریں اور اس تاریخی ظلم و ستم کے خاموش تماشائی نہ بنیں اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہیں اور تیل کے ہتھیار اور دوسرے آتشین اور آہنی اسلحوں سے ان مجرموں کے سامنے ڈٹ جائیں اور اسرائیلی مسئلے اور ہر استعماری مسئلے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں اور ملّتِ مُسلمہ کی فلاح و نجات کا سامان فراہم کریں تاکہ بنصّ قرآنی مستضعفین کی حکومت دنیا میں قائم ہو اور تمام اس علاقے کی حکومتوں کو یہ بات پوری طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ اگر دنیائے اسلام کے تیل کے پائپوں کو بحکم صریح مکتبِ اسلامی بند کر دیا جائے تو امریکہ اور اسرائیل دونوں جلد ہی نابود ہو جائیں گے۔ (واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولاتفرّقوا)۔

اور اے فلسطین کے جانباز دلیرو! اور اے بیت المقدّس کے بہادر مسلمانو! اپنی تمام تر مجاہدانہ

توانائیوں کے ساتھ اسی بیت المقدس کے غاصبین سے مسلسل جنگ کرتے رہو۔ (ان ینصرکم و یثبت اقدامکم)۔

افسوس تو اس بات کا ہے کہ بعض اسلامی ممالک بھی اپنے مسائل کے حل کے لئے امریکہ جیسی استعماری طاقت کی طرف رجوع کرتے ہیں جبکہ اگر وہ خود مضبوط ہوتے تو اپنے مسائل آپ حل کر سکتے تھے۔ وزیر امور خارجہ نے جمہوری اسلامی ایران کے اپنے گذشتہ پاکستان کے دورہ کے دوران یہ اعلان کیا تھا کہ صہیونی طاقتوں کے خلاف ایک مشترکہ اسلامی محاذ بنایا جائے اور اگر مسلمان ملک حقیقت میں اس بات کے خواہاں ہیں کہ اہلِ فلسطین کو ان کے حقوق دلائے جائیں تو وہ ایران کے وزیر امور خارجہ کی اس معقول اور برمحل تجویز پر غور کریں اگر ایسا پہلے ہی ہو جاتا تو اسرائیل کی یہ پیش قدمی ممکن نہ تھی اور مسلمانوں کو یہ شرمندگی کا دن نہ دیکھنا پڑتا اور اسی لئے ایران نے باوجود اپنی تمامتر مشکلاتِ داخلی و خارجی کے جن میں وہ آجکل پھنسا ہوا ہے، سب سے پہلے اس بات کو ضروری سمجھا کہ ایک لشکر نجات بیت المقدس کے لئے درست کیا جائے جو اسرائیل کی پیشقدمی کو روک سکے اور اسی لئے ایران نے اپنے سربازوں کو محاذ بیت المقدس پر پہلے ہی روانہ کر دیا ہے حالانکہ وہ اپنے اوپر زبردستی ٹھوسی ہوئی جارحیت سے بھی نمٹ رہا ہے۔ اور آج اپنے خبرنگار بھائیوں سے یہ درخواست کروں گا کہ وہ قلم کو اپنے قلمدانوں سے باہر نکالیں اور اس میدانِ جہاد میں جہاد بالقلم اور اعلائے کلمۃ الحق کر کے اپنی ذمہ داریوں کو پورے خلوص و صداقت کے ساتھ پورا کریں اور اللہ اور بیت المقدس کی طرف اپنے قارئین کی توجہ اور فکر کو قائم رکھیں تاکہ پرچم اسلام و صداقت و عدالت سربلند رہے۔

ہم اس دِن کی امید میں جی رہے ہیں جبکہ کمزور لوگ ظالموں کی چیرہ دستیوں سے نجات پاکر خود اپنے مقدر کا فیصلہ کرنے کے قابل ہو سکیں گے اور اسی وقت حقیقی امن و آشتی کی سانس لے سکیں گے۔ (ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم)۔

Marfat.com

اخبارِ فرہنگی

(اردو)

خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران راولپنڈی کی بعض اہم تقاریب کی فہرست جن میں پاکستانی خواتین وحضرات نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔

۲۳ ستمبر ۱۹۸۱ تا ۸ جولائی ۱۹۸۲

---

۲۳ ستمبر: ایرانی مجلس شورای اسلامی کے نمایندوں کے اعزاز میں جلسہ، جس میں جناب شاھچراغی اور جناب متقی نے تقریریں کیں۔

۲۳ ستمبر: ایران پر عراق کی جانب سے ٹھونسی ہوئی جنگ کے بارے میں تصویروں کی نمائش، جو ایک ہفتہ تک جاری رہی جس میں جنگ کی فلمیں بھی دکھائی جاتی رہیں۔

۲۷ ستمبر: شہید محمد علی رجائی سابق شہید صدر ایران کی زندگی سے متعلق فلم کی نمائش اور تقریریں۔

۱۲ اکتوبر: مجلسِ شورای اسلامی ایران کے نمایندہ حجۃ الاسلام جناب حسن زادہ کے اعزاز میں جلسہ کا انعقاد جس میں مہمان موصوف اور کارداران سفارت جمہوری اسلامی ایران نے تقریریں کیں۔

۱۹ نومبر: تصوّرِ پاکستان کے خالق حکیم الامّت مفکرِ اسلام علّامہ اقبال کے یومِ پیدائش کے سلسلے میں ایک مخصوص نشست۔

۳۰ نومبر: شعر و ادب کا پروگرام، خانۂ فرہنگ کی فارسی کلاسوں کے طلباء و طالبات میں اسناد و انعامات کی تقسیم اور سلسلۂ ولادتِ حضرت امام محمّد باقرؑ ایک جلسہ۔

۲۳ دسمبر: قائدِ اعظم محمّد علی جناح بانیٔ پاکستان کے یوم پیدائش کے موقعہ پر خصوصی تقریب۔

۱۳ جنوری: نمایش فلم اور تقاریر کی نشستوں کا ایک ہفتہ تک انعقاد بسلسلۂ وحدتِ اسلامی۔

۴ تا ۱۱ فروری: انقلابِ اسلامی ایران کی تاریخ اور کامیابی کے متعلق تصاویر کی ایک بڑی نمائش جس میں دنیا بھر کے مظلوموں کے مناظر بھی دکھائے گئے اور ان کتابوں کی نمائش جو انقلاب کے بعد طبع ہوئیں اور یہ نمائش اور تقریریں سات دن تک برابر مقررہ وقت پر ہوتی رہیں۔

Marfat.com

۱۰ر فروری : انقلاب اسلامی ایران کی تیسری سالگرہ کے موقعہ پر خصوصی جلسہ جس میں حضرت آیۃ اللہ واعظ طبسی (نائب متولّی آستانہ مشہد مقدس) اور ایران میں متعین سفیر پاکستان نے تقریریں کیں اور ریڈیو پاکستان اور پاکستان ٹیلیویژن نے اس جلسے کی کاروائی کو دو قسطوں میں نشر کیا۔

۳۱ر مارچ : جمہوری اسلامی ایران کی تیسری سالگرہ کے سلسلے میں ایک مخصوص نشست کا اہتمام جس میں تقریریں، نمائش فلم اور نمائش تصاویر شامل تھیں جن میں ایران کے گزشتہ تین سال کی عکاسی کی گئی تھی تاکہ لوگ جمہوری اسلامی ایران کی کامیابیوں سے واقف ہو جائیں اس میں آقای عباس صاحب الزمانی نے بھی تقریر کی جو ممالک خارجہ میں ایران کے جملہ فرہنگی اداروں کے ڈائرکٹر جنرل ہیں۔

۱۵ر اپریل : خانم صدیقہ رجائی نمایندۂ مجلس شورای اسلامی ایران اور بیوۂ شہید رجائی سابق صدر جمہور ایران کے اعزاز میں خواتین کا ایک مخصوص جلسہ جس میں خانم نعمت زادہ اور خانم دکتر ثریا مکنون استاد علوم تربیتی، تہران یونیورسٹی نے بھی تقریریں کیں اور خانم رجایی اور خانم شہیدی صافی نے بھی تقریریں کیں۔

۷ر مئی : مشہور مفکر و مصنّف اور مجاہد ایران استاد شہید مرتضیٰ مطہری کی یاد میں ایک جلسہ روز ولادت حضرت علی ابن ابی طالبؑ منعقد کیا گیا۔

۲۱ر مئی : بعثت حضرت ختمی مرتبتؐ اور معراج النبیؐ کی مناسبت سے ایک تقریب منعقد کی گئی۔

۲۷ر مئی : خرم شہر کی فتح کی مناسبت سے ایک جلسہ منعقد کیا گیا۔

۸ر جون : ۱۵ر خرداد ۱۳۴۲ ہجری قمری کی یاد میں ایک جلسہ، جس میں فلم بھی دکھائی گئی۔

۱۱ر جون : حضرت صاحب العصرؑ کی ولادت کے مبارک موقع پر ایک یادگاری نشست کا اہتمام کیا گیا جس میں دنیا کے "مظلوموں کا دِن" بھی منایا گیا۔

۲۹ر جولائی : ایران کے ۷۲ مجاہدین انقلاب کی تہران میں مظلومانہ شہادت کی برسی کے موقعہ پر ایک یادگاری مجلس۔ اس واقعہ کی یاد میں جب ۷۲ علماء، وزراء اور دانشوروں کو حزب جمہوری اسلامی کے دفتر میں بم رکھ کر شہید کیا گیا۔

جولائی : آیت اللہ صدوقی شہید، امام جمعہ و جماعت و نمائندہ امام خمینی در شہرستان یزد کی یاد میں جلسہ۔

۱۷ر جولائی : روز قدس عزیز کے منانے کے لئے ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا گیا جس میں سفیر ایران، سفیر شام اور راولپنڈی و اسلام آباد کی برجستہ شخصیتوں اور خواہران و برادران پاکستانی نے کثیر تعداد میں شرکت کی جس میں تقریروں کے بعد

Marfat.com

افطار کا بھی انتظام کیا گیا اور فلسطین پر فلم دکھائی گئی. ایک تصویروں کی نمایش بھی ترتیب دی گئی جس میں لبنان کے ستمدیدہ عوام اور ایران پر عراق کی جانب سے ٹھونسی گئی جنگ کے مناظر بھی دکھائے گئے تھے.

۲۷ جولائی: اتحاد بین المسلمین اور قدس کے موضوع پر منعقد کی جانے والی تقریب میں حجۃ الاسلام نور مفیدی کا خطاب. (نمایندۂ امام خمینی).

ان تمام مراسم و تقریبات کو ثقافتی عنوانات کے ساتھ اخباروں اور رسالوں میں چھاپہ گیا اور بعض تقریریں، مقالوں کی صورت میں بھی اخباروں میں شائع ہوئی ہیں اور اخباروں نے اپنے صفحات ان خبروں کی اشاعت کے لئے مخصوص کئے ہیں.

بعض سرگرمیوں کا تذکرہ:

مسؤل خانۂ فرہنگ راولپنڈی اور کلچرل اتاشی سفارت جمہوریۂ اسلامی ایران نے مختلف موقعوں پر مختلف مناسبتوں سے مختلف شہروں میں تقریریں کیں جیسے مظفر آباد، اٹک، ٹیکسلا، حیدر آباد، لالہ موسیٰ، گجرات، تلہ گنگ، پکی شاہ مرداں، لاہور، ملتان، کراچی، کوئٹہ، میانوالی اور جھنگ.

اور اسی طرح مختلف یونیورسٹیوں، مسجدوں، امام بارگاہوں میں بھی تقریریں کیں، جیسے: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، پنجاب یونیورسٹی، جامع مسجد راولپنڈی، مسجد شاہ چن چراغ، مسجد اثنا عشری اسلام آباد، امام بارگاہ یادگار حسینی، قصر ابو طالب اور جمعیت طلباء امامیہ کے جلسوں میں.

★ فارسی کی کلاسوں کی خانۂ فرہنگ میں تشکیل جس میں ۹ ماہ کے عرصہ میں دوسو فارسی سیکھنے والے طلباء نے شرکت کی اور امتحانات پاس کر کے سندیں حاصل کیں.

★ مختلف ایرانی لٹریچر کی پاکستان کے علاقوں میں تقسیم اور اشاعت. (تقریباً دو لاکھ نسخے).

★ ایرانی طلباء مقیم اسلام آباد و راولپنڈی کے ابتدائی اور آخری امتحانات کا انعقاد اور ان کی راہنمائی.

★ کراچی، لاہور، پشاور، ملتان، حیدر آباد، کوئٹہ اور راولپنڈی کے ساتھ خانۂ فرہنگ کو چلانا اور ان کی ضروریات کو پورا کرنا.

★ خانہ ہای فرہنگ ایران اور مرکز تحقیقات فارسی کی از سرِ نو تنظیم کی گئی تاکہ اسلامی ثقافتی سرگرمیاں از سرِ نو شروع کی جا سکیں اور انقلاب اسلامی ایران کے بنیادی اصولوں کو عام کیا جا سکے اور اس مقصد کے لئے نئے نئے پروگراموں کو تشکیل دیا گیا تاکہ اتحادِ اسلامی کو زیادہ مستحکم کیا جائے اور پاکستان و ایران کے ثقافتی

Marfat.com

آیۃ اللہ مشکینی

Marfat.com

نحمدہ و نصلی — علی رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

٩٦ ١٣

نہیں کوئی معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں

ثقافتِ اسلام

دفتر اوّل

Marfat.com